قصص الاولین موعظت الآخرین

محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ غازی کی

سوانح عمری

جو ہندوستان میں خاندان مغلیہ کا بانی اور صفحۂ تاریخ کے اوّل درجے کے شہنشاہوں میں جگہ پانے کا مستحق ہے

یہ مضمون مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی نے لکھ کر رسالہ حسن حیدرآباد میں طبع کرا کر ایک اشرفی انعام حاصل کیا تھا۔

خاص اجازت رسالہ حسن سے پیش کیا گیا

۱۹۰۱ عیسوی

بغرض اشاعت علوم مفیدہ

[illegible]

تذکرہ

شاہ بابر غازی

تاتاری مغلوں کے خصائص

تاتاری مغلوں کے کارنامے پڑھ کر یہ باور کرنے کی ہر ایک وجہ ہے کہ شجاعت اور عزم انکی ایک فطری جوہر تھا۔ انکی شجاعت اور انکا عزم وحشت سے کبھی دو قدم آگے تھا اپنے وطن سے نکلکر ماوراء النہر، ایران اور خراسان وغیرہ ممالک میں جسطرف گئے فتح اور بربادی انکی ہمرکاب رہی۔ دریائے والگا سے لیکر سندھ اور گنگا تک چنگیز خاں اور امیر تیمور کی تلوار کی کہیں پناہ نہیں تھی۔ نیشاپور اور جرجانیہ (دارالسلطنت خوارزم) جیسے بہت سے شہر اس سیل تاتار میں ایسے بہہ گئے کہ اب بعضوں کے کھنڈر ملنے بھی دشوار ہیں۔ خلافت عباسیہ کا خاتمہ اسی خاندان کے ایک بادشاہ کے ہاتھ سے ہوا جسکا مہیب نام ہلاکو ہے۔ حسن بن صباح کے پیروؤں کو انھوں نے فیاضی سے قتل کیا تھا۔ ایرانی تغزل میں ترک سنگدل دلربا کے معنے ہیں۔ مگر حیرت کی بات ہے کہ اس وحشت اور قساوت کے ہوتے کمال اور اہل کمال کے قدردان تھے۔ ہلاکو خاں کے دربار میں محقق طوسی نہایت محترم تھا۔ مراغہ (ملک آذربائیجان) کی مشہور رصدگاہ محقق موصوف نے ہلاکو خاں کی سرپرستی میں بنائی تھی۔ امیر تیمور علامہ تفتازانی اور میر سید شریف جرجانی سے بہت ہی مخلصانہ پیش آتا تھا

۱؎ بخارا اور بحیرۂ خزر کے درمیانی ملک کا نام ہے ۱۲

امیر تیمور اور اسکے وارث

امیر تیمور دریائے والگا سے گنگا کے کنارے تک فتح کرکے کوئی صاحب داعیہ حاکم ان ملکوں میں نہیں چھوڑا تھا۔ اور قریباً اس تمام ملک پر وہ خود فرمانروا تھا جس سلطنت کی بنا محض قہر اور جلادی پر ہو اسکی پائداری معلوم۔ امیر تیمور کے مرتے ہی اس عظیم الشان سلطنت کے تمام اجزا پریشان ہوگئے اور اسکے وارث چھوٹے چھوٹے ملکوں پر مستقل ہو بیٹھے۔ اس زمانہ کی اسلامی سوسائٹی کا اثر ان واقع سے خوب معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ امیر تیمور سے جابر اور وحشی بادشاہ کی اولاد میں شاہرخ میرزا اور الغ بیگ میرزا سے نیکدل، کریم النفس اور عالم بادشاہ ہوئے۔ اسکی اولاد میں نہ تو کوئی ایسا زبردست تھا جو سب کو زیر کرکے خود تمام سلطنت کا مالک ہو جاتا اور نہ وہ ایسے پست ہمت تھے کہ اپنے اپنے ملک پر قانع رہتے۔ اسکا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ لڑائیوں کا ایک غیر مسلسل ہنگامہ ہمیشہ باہم برپا رہتا تھا جس زمانہ سے ہمارے ہیرو کو تعلق ہے اس زمانہ میں سمرقند پر سلطان احمد میرزا بابر کے ایک چچا کی حکومت تھی۔ اور بدخشاں، قندز، اور ترمذ اور حصار پر سلطان محمود میرزا کی عملداری تھی۔ اور کابل و غزنی پر الغ بیگ میرزا قابض تھا۔ تاشقند اور شاہرخیہ پر بابر کا ماموں سلطان محمود حکمران تھا اور خراسان پر سلطان حسین میرزا کی فرمانروائی تھی۔ ولایت فرغانہ پر بابر کا باپ عمر شیخ میرزا حاکم تھا۔

بابر کا باپ

عمر شیخ میرزا بابر کا باپ سلطان ابوسعید میرزا کا بیٹا اور سلطان ابوسعید میرزا میرانشاہ پسر امیر تیمور کا پوتا تھا۔ پستہ قد۔ فربہ اندام۔ ڈاڑھی گول۔ رنگ سرخ گون۔ یہ حلیہ ہے۔ عمر شیخ میرزا کچھ پڑھا لکھا معمولی سا تھا۔ حضرت عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا ارادتمند مرید تھا۔ اور حضرت خواجہ بھی ازراہ شفقت سے فرزند فرمایا کرتے تھے۔ حنفی المذہب نماز و تلاوت کا پابند۔ بڑا با توفیق اور خوش خلق تھا ایک مرتبہ ختا سے ایک کاروان آتا تھا اندجان کے قریب پہاڑوں پر سے دھہ برف نے سب آدمی قافلے کے ہلاک کر ڈالے عمر شیخ میرزا نے اپنے ملازم وہاں بھیجے اور تمام اسباب منگوا کر بحفاظت رکھ چھوڑا دو برس کے بعد خراسان اور سمرقند سے مال کے وارث تلاش کرکے بلوائے اور مال انکو سونپ دیا چونکہ امیر تیمور کا پوتا تھا اسلیے ہمیشہ ملک گیری کی ہوس میں اپنے بھائیوں سے لڑتا رہتا۔ انکو زیر کرنیکو کبھی تو سسرال والوں کی مدد لاتا تھا اور کبھی خود سسرال والوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ بابر لکھتا ہے کہ "کبھی تو عمر شیخ میرزا کی بدمعاشی کے سبب اور کبھی خود اپنی مخالفت کے سبب لوگ اسکی ولایت میں نہ ٹھیر سکے اور ہمیشہ اپنے ملک مغولستان کو لوٹ گئے۔ اسلیے ان سسرال والوں کی مدد سے

۱ افغانستان کے شمالی سرحد کے قریب واقع ہے ۲ دریائے کسس یا سیدریا سیحون کے شمالی کنارہ پر سرحد افغانستان کے قریب ہے۔
۳ مغربی افغانستان ایک شہر ہے ۴ بابر کا دوسرا چچا ۵ بابر کا تیسرا چچا ۶ سیحون کے شمال میں تھا اور ویران ہے

کچھ فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو ملک تاشقند و شاہرخیہ انکے بدلے عوض میں دیئے گئے تھے وہ ہمیشہ کیواسطے عمر شیخ مرزا کے قبضہ سے نکل گئے۔ ۴ رمضان ۸۹۹ھ کو اخسی کے قلعہ میں کبوتر خانہ کی چھت پر کھڑا تھا کہ کبوتر خانہ مع اسکے زمین پر آرہا اور عمر شیخ میرزا کی روح عالم بالا کو پرواز کرگئی۔ وفات کے وقت اسکی عمر ۳۹ برس کی تھی اور اخسی میں دفن ہوا۔

بابر کی ماں بابر کی ماں قتلق نگار خانم یونس خاں کی مغل کی بیٹی تھی۔ یونس خاں پسر چنگیز خاں کی اولاد میں تھا۔ اور مغولستان کے جرگوں کا اسکی سرداری مسلم تھی۔ اسطرح بابر کی رگوں میں تیمور اور چنگیز ہر دو اولوالعزموں کا خون جوش زن تھا۔ اسکی ماں ایسی ہی بہادر تھی جیسے اس زمانہ کی ایک ترک عورت ہونی چاہیے۔ بابر نے لکھا ہے کہ اکثر معرکوں اور لڑائیوں میں میری ماں ساتھ رہتی تھی ۹۱۱ھ میں چھ روز بیمار رہکر کابل میں فوت ہوئی اور وہیں سپرد خاک کی گئی

ولایت فرغانہ ولایت فرغانہ ترکستان کی ایک چھوٹی سی ولایت تھی جو دریائے سیحون کے دہانہ کے قریب اسکے دونوں کناروں پر واقع تھی مشرق میں کاشغر مغرب میں سمرقند جنوب میں کوہستان سرحد بدخشان اور شمال میں غیر آباد ملک واقع تھے تین طرف پہاڑوں سے محصور ہے اور شمال جنوب یا مشرق کے دشمن صرف مغرب کیطرف سے بڑھکر حملہ کرسکتے ہیں۔ یہ ولایت سرسبز ہے اور دریائے سیحون اور چھوٹے چھوٹے چشموں سے سیراب ہوجاتی ہیں۔ ایک سرد ملک کی نازنین ہوتی ہیں ان میں یہ بھی شریک تھا عام طور سے اسکی آب و ہوا صحت بخش تھی۔ باشندے شجاع اور قوی تھے اور غلہ و میوہ کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اوش۔ اندجان۔ مرغینان اور خجند مشہور قصبے تھے اور اب تک نقشے میں انکا پتہ لگتا ہے۔ بابر کے عہد میں اسفرہ اور آخی دو اور قصبے تھے۔ لیکن اب انکا نشان نقشے میں نہیں۔ مسلمانوں کی اقبالمندی کے دنوں میں بعض نہایت مشہور باکمالوں پر یہ خطہ بھی نازاں تھا قطب صاحب (جنکا متبرک مزار دلی میں ہے) اوش کے اور صاحب ہدایہ مرغینان کے اور خواجہ کمال خجند کے فخر تھے۔ عمر شیخ مرزا نے اخسی کو دارالسلطنت قرار دیا تھا۔ اسکا قلعہ شہر سے ایک میل دور پہاڑ کی اونچی چوٹی پر بنا ہوا تھا اور دریائے سیحون کی پرزور موجیں اسکے ملنے اور استوار فصیل کے قدم دھو دھو کر بہا کرتی تہیں۔ یہ ولایت ہے جو بابر کو وراثت میں ملنے والی تھی۔

بابر کی پیدائش ۶ محرم ۸۸۸ھ کو وہ نامور بچہ پیدا ہوا جو ملک ہندوستان میں ایک عالیشان سلطنت قایم کرنے والا تھا۔ بابر اپنے والدین کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ شامی شاعر نے تاریخ ولادت یوں کہی ہے۔

در شش محرم زاد آن شاہ مکرم　　　تاریخ مولدش ہم آمد شش محرم

اسکے بچپن کا کوئی حال ہمکو معلوم نہیں ہوا ہے صرف یہ معلوم ہے کہ پانچ برس کی عمر میں سمرقند اپنے چچا

سلطان احمد میرزا کی پاس گیا اور وہیں اسکو چچا نے اپنی بیٹی عائشہ سلطان بیگم کی نسبت اسکے
ساتھ کی۔ سمرقند اندجان سے ۱۷۵ میل ہے کے قریب ہے۔ اس زمانہ کو نا سمجھ بچے اتنی مسافت طے
کر ڈالتے تھے اور پھر اوس وقت کہ دشوار گذار اور پرخطر راستے کہ ہر قدم پر پہاڑ اور دریا موجود اور
ہر دم دشمن کا خوف۔ افسوس ہے ہم پر جو تمام عمر گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلتے۔ اور آج سفر میں گھر
سے زیادہ آسایش ہے۔ بابر کی تعلیم و تربیت قاضی عبید اللہ المشہور بخواجہ مولنٰنا) کے سپرد کی گئی تھی
یہ قاضی عبید اللہ شیخ الاسلام برہان الدین کی اولاد میں اور خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے
مرید تھے فرغانہ کے مذہبی پیشوا مقتدا اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ باایں ہمہ علم و فضل بہادر بھی تھے جو ہر بھی نورانی
پیشانی پر نمایاں رہتا۔ بابر ہر چند خود بڑا بہادر تھا مگر انکی ثبات و استقلال سے اسکو بھی حیرت
تھی۔ اگرچہ ٹھیک طور پر یہ نہیں معلوم ہوا کہ استاد سے اسنے کیا کیا پڑھا لیکن بابر کی سرگذشت شاہد
ہے کہ خواجہ مولنٰنا کی تربیت نے اسکو دل پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ راستبازی اور سادگی جو اسکے چال چلن میں
کوہ نور کیطرح تاباں ہے وہ زیادہ تر اسی باخدا کے فیض تربیت سے حاصل ہوئی تھیں۔ اسکے
عالی لیاقتوں کو آخری ریمارک میں بیان کرینگے۔ شاہان تیموریہ کا یہ قاعدہ رہا کہ بچوں کو ہوشیار ہونے
پر کسی امیر کی سپردگی میں اپنے دور دراز ملکوں کو بھیج دیتے تھے ملک کی حکومت میں برائے نام انکا نام
شامل ہو جاتا تھا اور امرا انکے کردار و اطوار کے نگران رہتے تھے ۱۲ برس کی عمر میں بابر شیخ فرید
بیگ کی اتالیقی میں اندجان میں بھیجا گیا۔ خواجہ مولنٰنا بھی ہمراہ تھے اس سال سلطان احمد میرزا
اور سلطان محمود خاں (بابر کا ماموں) عمر شیخ میرزا کی لڑائیوں سے تنگ آ کر باہم متفق ہوئے اور دونوں
نے جنوب اور شمال سے اسکے ملک پر حملہ کرنے کو حرکت کی۔ شاید موت کو بھی ان حملہ آوروں کی ساتھ
پوری ہمدردی تھی کہ انکو فرغانہ میں قدم رکھتے ہی اسنے بھی اپنا وار (جیسا کہ بیان ہوا) عمر شیخ میرزا
پر کیا۔ بابر اندجان میں دم دلاسے پا رہا تھا کہ باپ کا سانحہ پیش آیا۔ ۵ رمضان المبارک ۸۹۹ھ کو بابر
چار باغ کی سیر کا لطف اٹھا رہا تھا کہ اوسے اوسکی خبر پہنچی۔ اول تو اس چھوٹی عمر میں باپ کی مفارقت
دوسرے ملک دشمن سے گھرا ہوا۔ اسنے یہی بہتر جانا ہو گیا اور جو نوکر وہاں موجود تھے انکو ہمراہ لیکر سیدھا قلعہ پر
پہنچا اور قلعہ میں پہنچ کر وہیں تخت پر جلوہ افروز ہوا۔

بابر کی تخت نشینی سنہ ۸۹۹ھ اسوقت اسکی عمر ۱۲ برس کی تھی۔ تخت پر بیٹھتے ہی مصائب ہر طرف سے
گھر گئیں اور جو دشوار مرحلے بابر کو طے کرنے تھے اسکی پہلی منزل تخت پر بیٹھنا تھا۔ کہتے ہیں کہ تخت نشینی کا جشن
ہوا بزم نشاط گرم ہوتی ہر شخص ادھر ہی فکر میں پڑ گیا کیونکہ سلطان احمد میرزا خجند و مرغینان

لیتا ہوا اندجان سے چار کوس پر آن پہنچا تھا طوفان جب آنے کو ہوتا ہے تو اسکے آثار پہلے ہی سے محسوس ہونے
لگتے ہیں احمد میرزا کا طوفان جب شہر کے قریب پہنچا تو معرکہ طلب طبیعتیں فاسد ہو چلیں لیکن بابر نے
فوراً ایک مفسد کی گردن اڑوا دی اور مادہ فساد وہیں افسردہ ہو کر رہ گیا۔ خواجہ مولینا اور دو
اور امیر سلطان احمد میرزا کی خدمت میں یتیم بھتیجے کا یہ سعادتمندانہ پیام لیکر گئے کہ سمرقند سے شہر کو
چھوڑ کر حضور کا یہاں رہنا تو معلوم۔ فتح کے بعد یہ ملک ضرور کسی ملازم کے سپرد ہوگا۔ میں خادم
بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں۔ اگر یہ خدمت میرے ہی سپرد ہو جائیگی تو بہت سی دردسری کم ہو جائیگی
سلطان احمد میرزا نہایت نیک نفس آدمی تہا اس پیام کا اثر اسکے دل پر بہت ہوا لیکن (جیسے
اکثر نیک حاکم ہوتے ہیں) اسکے مزاج پر امرا بہت حاوی تھے۔ وہ اپنا نفع کیوں چھوڑتے۔ سخت
و درشت جواب دیکر ایلچی واپس کر دیئے اور سلطان احمد میرزا آگے بڑھا لائے مسبب الاسباب
کی شان کو بھی دیکھو چند اتفاقی سبب ان سے ہو گئے کہ سلطان احمد میرزا کو ناکام پھرنا پڑا۔ ادہر آگے
ہو لئے غنیم کا لشکر ایک پل کو عبور کر رہا تہا کہ پل ٹوٹا اور بہت سی جانیں تلف ہو گئیں۔ اتفاقاً
چار برس اودہر بھی ایک ایسا ہی واقع گزرا تھا اور اسکے بعد اسکو میدان جنگ میں ناکامی ہوئی
تھی اب جو پل پہر ٹوٹا انکو اگلی شکست یاد آ گئی تھی اور بدشگونی کے خیال نے (جو ایشیا میں بہت موثر
چیز ہے) سب کے دل ہلا دیئے۔ گھوڑوں میں وبا اس کثرت سے پھیلی کہ طویلے خالی ہو گئے اور
سب سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ بابر کے نوکر اور رعایا ایسے سنگدل تھے کہ مخالفین کو اپنی فتح یقینی نہیں
معلوم ہوتی تھی۔ ان وجوہ سے سلطان احمد میرزا کو مناسب معلوم ہوا کہ اس وقت ناپائداری سے صلح
کر کے چلا جائے۔ اسطرف سے درویش محمد ترخان آیا اور اسطرف سے حسن بھیجا گیا اور دونوں نے
عہد کیا اسکے ہاتھ میں گویا شکست لگی ہوئی تھی۔ عہد کے بعد سلطان احمد میرزا سمرقند کو لوٹ
گیا اس منہ بولے غنیم سے اطمینان ہوا ہی تہا کہ شمال کی طرف سے سلطان محمود خاں نے حملہ کیا۔ لیکن
کچھ مفید نہیں ثابت ہوا۔ خدا کی شان سلطان محمود خاں بیمار پڑ گیا لڑے بغیر ہی پھر گیا
اگر گیا تھا تو شاید پیشتر [illegible] بھی شہر تک آ لی ہو گی۔ وہ بھی جدہر سے آیا تھا ادہر کو چلا گیا
انہیں دنوں ابابکر کاشغری مغل نے حملہ کیا لیکن فوج بابر نے (دستر کرتے تھے) انکو معلوم ہو گیا کہ وہ انکے
میدان کا حریف نہیں تہا بصد دشواری جان بچا کر بھاگ گیا۔ ان بلاؤں سے نجات پا کر بابر
کی عزاداری باپ کی اندجان سے جہانگیر میرزا عمر کی بیگمات اور امرا آئے فقرا اور مساکین کو کھانا
کھلایا تعزیت سے فارغ ہو کر ملک کا انتظام اسطرح کیا گیا کہ اندجان اور محل شاہی کا مہتمم حسن یعقوب بنایا گیا

اوش پر قاسم بیگ حاکم کیا گیا۔ اخسی پر اوزون حسن اور مرغینان پر علی دوست طغائی مقرر
ہوئے۔ سلطان احمد میرزا لوٹتے ہوئے راستہ میں اندجان کے غرب میں ایک مقام ہی پر پہنچا
تھا کہ اجل نے آ گھیرا اور چند روز بخار میں مبتلا رہ کر یہ نیک بادشاہ جسنے اپنی رعایا کو آرام
دیا تھا ۴۴ برس کی عمر میں رحلت کر گیا۔ اسکا کوئی وارث نرینہ نہ تھا۔ امراء نے اسکے بھائی
سلطان محمود میرزا والی بدخشان کے پاس ایلچی بھیجا۔ وہ یہ مژدہ جانفزا سنکر سمرقند کو چلا آیا اور باقی تمام
ملک قبضہ میں تھا سمرقند پر حاکم ہوا۔ کے بعد اسکی سرحد بابر کے ملک سے ملگئی اور اسکو بھی بابر کا ملک
چھین لینے کا شوق پیدا ہوا لیکن اسنے اپنی کامیابی کیواسطے دوسرا ہی پہلو اختیار کیا۔ سلطان
محمود خان اور سلطان احمد میرزا امرائے بابر ہی کے اتفاق اور مردانگی کے سبب ناکام رہے تھے لہذا
اسنے خود امرا ہی سے خفیہ سازش شروع کی۔ اسی زمانہ میں اسنے اپنے بیٹے مسعود میرزا کی شادی
بہت دھوم دھام سے کی تھی بابر کے پاس بھی ایک ایلچی کو سونے چاندی کے بستہ بادام وغیرہ دیکر بھیجا
بادام اور پستوں کا تو بہانہ تھا حقیقت میں قاصد حسن یعقوب خان کا رشتہ دار تھا اور اس دام
سازش کا جو اسکے آقا نے بچھایا تھا ایک پھندا اپنے عزیز کے گلے میں ڈالنے کو آیا تھا۔ عیار سفیر نے
حسن یعقوب کو پھانس لیا اور وعدے لیکر اپنے بادشاہ کے دربار کو لوٹ گیا۔ پانچ چھ مہینہ کے بعد
حسن یعقوب کے تیور بدلنے لگے اور اسنے یہ منصوبہ گانٹھا کہ بابر کو معزول کر کے جہانگیر میرزا کو بادشاہ بنائے
امرائے خیرخواہ اس چال کو پاگئے اور جاکر بابر کی نانی سے یہ ماجرا بیان کیا کہ میری نانی کی مثل
رائے اور تدبیر میں بہت کم عورتیں ہونگی۔ نہایت عاقل اور مدبر تھی اور اکثر معاملات اسکی
مشورے سے ہوتے تھے۔ وہاں یہ بات قرار پائی کہ حسن یعقوب معزول کر دیا جائے۔ وہ ایک
علیحدہ ارک میں رہا کرتا تھا۔ بابر اسکو معزول کرنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ حسن یعقوب اتفاقاً شکار کو
گیا تھا۔ جاسوسوں نے شکارگاہ میں اسکو یہ خبر پہنچائی اور وہ سیدھا سمرقند کو چلا آیا۔ اسکے جانیکے بعد
اسکے ہمرازوں کی تحقیقات کیگئی اور جو مشتبہ نکلے وہ گرفتار ہوئے۔ حسن یعقوب سمرقند جاتے ہوئے اخسی
لوٹتا چلا آتا تھا اور رستہ میں ایک تیر انداز نے نمک حرامی کا مزہ چکھا کر دوسرے جہان میں پہنچا دیا۔ سلطان محمود
میرزا اپنے دام سازش میں انکو پھانس رہا تھا کہ ربیع الآخر ۹۰۰ھ کو خود اجل کا شکار ہو گیا۔ سلطان محمود
میرزا نہایت ظالم اور فاسق تھا اور اہل سمرقند اس سے نہایت تنگ آ گئے تھے خسرو شاہ نے (جو اسکا
مقرب اور مقتدر امیر تھا) مصلحتاً اسکی وفات کو چھپایا مگر اتنا بڑا واقعہ کس پردہ میں چھپ سکتا ہے
فوراً تمام شہر میں شہرت ہو گئی۔ شہرت کے ساتھ گھر گھر خوشی کے شادیانے بجنے لگے اور اہل شہر

مستقل ہوکر خسرو شاہ پر چڑھ گئے اور وہ اپنی جان لیکر شہر سے بھاگ گیا۔ سلطان محمود میرزا
کے قابل ذکر چار بیٹے تھے۔ سلطان مسعود میرزا۔ سلطان بایسنقر میرزا۔ سلطان علی میرزا اور
خان میرزا اسنے اپنی حیات میں مسعود میرزا کو حصار اور بایسنقر میرزا کو بخارا بھیجدیا تھا۔ اس
حادثہ کے بعد امرا نے بایسنقر میرزا کو بخارا سے بلاکر باپ کی جگہ پر بٹھایا۔ سلطان محمود میرزا کی شادی
سنکر سلطان محمود خاں نے (جو ان شاہزادوں کا بھی ماموں تھا) بعض کور نمک امرا کی تحریک
سے سمرقند پر حملہ کیا۔ بایسنقر میرزا مقابلہ پر آیا۔ لڑائی کے بعد سلطان محمود خاں کو شکست
ہوئی اور کثرت سے اسکے مغل کام آگئے۔ اس فتح سے اہل سمرقند کے حوصلے بڑھے اور طبع آزمائی
گویا بابر کے ملک پر چڑھ آئے ع ہر بلائی کز آسمان آید * گرچہ بر دیگری قضا باشد * بر زمین نارسیدہ میپرسد
خانۂ انوری کجا باشد * اسفرہ پر قبضہ کرکے بایسنقر میرزا کا خطبہ پڑھدیا۔ بابر یہ حال سنکر انکے مقابلہ کو
بڑھا اور چالیس دن کے محاصرہ کے بعد تنگ آکر دشمن نے قلعہ چھوڑدیا۔ خجند بابر کے باپ کے قبضہ
میں تو تھا مگر پچھلی ہل چل میں ہاتھ سے نکل گیا تھا بابر نے اسفرہ سے بڑھکر اسپر بھی قبضہ کرلیا
یہاں آکر معلوم ہوا کہ سلطان محمود خاں قریب شاہرخیہ میں ٹھیرا ہوا ہے۔ عمر شیخ میرزا کی
وفات کے بعد یہ حضرت بھی اسکے ملک پر قوت آزما ہوچکے تھے۔ بابر نے سوچا کہ آخر ماموں ہے اور
اسقدر قریب ہے چلکر مل آؤں۔ گزشتہ کدورتیں بھی محو ہوجائینگی دیکھنے سننے والے بھی تحسین کرینگے
یہ سوچکر شاہرخیہ جا پہنچا۔ اسکا ماموں اپنے باغ کے چار درہ میں بیٹھا تھا۔ چار درہ میں قدم رکھتے ہی
بابر نے اپنے زانو پر تین دفعہ ہاتھ مارے (یہ اس زمانہ کا آداب ہے) وہ بھی تعظیم کیواسطے اٹھکھڑا ہوا
اور گلے سے لگالیا۔ بابر نے پھر زانو پر ہاتھ مارے اور ماموں نے بلاکر پاس بٹھالیا اور شفقت ظاہر کی۔ بابر
دو چار روز وہاں رہکر اپنی تختگاہ اندجان کو لوٹ آیا۔ بابر نے یہ بھی دوراندیشی کی کہ ماموں سے صفائی
کرآیا۔ آگے چلکر آپ دیکھینگے کہ اکثر آڑے وقتوں میں اپنے ماموں سے مدد لایا اور ماموں کا گھر ہمیشہ اسکی
پناہ کیلیے کھلا رہا اگر اتنا قریب پہنچکر بابر سلطان محمود خاں سے نہ ملتا تو اسکے دلمیں کاوش پڑجاتی
اور پھر کسی شکل میں بابر کا منہہ نہ پڑتا کہ اس سے کمک چاہتا۔

فتح سمرقند سلطان محمود میرزا کے بیٹے معرکہ طلب ایرانی ہاتھوں میں کٹھپتلیاں بنے ہوے تھے اور ہر کھلاڑی
اپنی کٹھپتلی کا جلوہ دکھاکر ملک کو اپنی ہی جھولی میں ڈالنا چاہتا تھا۔ بایسنقر میرزا سمرقند کا امیر تو
کہنے کو تھا۔ سلطان علی میرزا امرائے بخارا کے قبضہ میں تھا اور سلطان مسعود میرزا پر حصار میں خسرو شاہ
محیط ہو رہا تھا۔ اس آشوب کے زمانہ میں اکثر فوج کے آدمی ان سے جدا ہوکر بابر کے پاس چلے آئے۔ بابر نے جو یہ حالات

سے ندامت کی ذلتیں جھیلی تھیں۔ اس سفر دیر سمرقندیوں سے بد مزگی ہو ہی چکی تھی شوال ۹۰۲ھ کو سمرقند پر
یورش کر دی جس شہر کو پانچ برس کی عمر دیکھ آیا تھا آج سولہ برس کی عمر میں ہمارا نوجوان ہیرو اُسکو فتح
کرنے چلا۔ اس سفر کو آیندہ مصائب کا دیباچہ سمجھنا چاہیئے۔ مشرق سے تو بابر نے حملہ کیا اور مغرب (بخارا)
سے سلطان علی میرزا اور جنوب (حصار) سے سلطان مسعود میرزا سمرقند لینے کو بڑھے اور تینوں لشکروں
نے سمرقند کو آ گھیر لیا۔ تین چار مہینے محاصرہ ہی میں گزر گئے۔ اسی عرصہ میں سلطان علی میرزا نے
اپنے ایک امیر کو اتفاق اور یکجہتی کا پیام دیکر بابر کے پاس بھیجا بابر بھی رضامند ہو گیا اور یکجہتی کا
معاہدہ کر لیا۔ اب سردی کثرت سے پڑنے لگی۔ سرد ملکوں میں یہ برف بھی عجیب مصلح ہے کیسی ہی
خونخوار لشکر مقابلہ پر پڑے ہوں جاڑا آیا اور دونوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ ایک تو برف کی مصیبت
دوسرے گھاس اور غلہ بالکل نہیں ملسکتا آخر انسان کیا کرے۔ نپولین اعظم کو ماسکو میں جو گوشمالی
اس زمستان نے دی تھی۔ ایک زمانہ اُس سے واقف ہے۔ جاڑے کے آتے ہی تینوں لشکر
اپنے اپنے مرکز کو چلے گئے۔ سلطان مسعود میرزا سمرقند کے ایک امیر کی حور وش لڑکی پر فریفتہ تھا
لوٹتے وقت نکاح کر کے اپنی آرام جان کو لیگیا اور اس خوشی کے صلہ میں سمرقند سے ہمیشہ کو
گویا دست بردار ہو گیا بلکہ بابر کی شہادت کے موجب اس محاصرہ کا اہم مقصود وصال جانان
ہی تھا۔ سنہ ۹۰۳ھ کے فصل بہار میں بابر نے پھر سمرقند پر فوجکشی کی پچھلے برس بابر اور سلطان علی
میرزا سے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے موسم میں دونو متفق ہو کر حملہ کرینگے۔ بابر نے سمرقند آ کر سنا کہ سلطان
علی میرزا پہلے سے موجود ہے اور بائسنغر میرزا اُسکے مقابل شہر سے باہر پڑا ہے بابر کی آمد آمد
سنکر بائسنغر میرزا قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہا۔ سمرقند کے نزدیک ایک قلعہ تھا۔ اول بابر نے اُسکو
فتح کیا اور عید الفطر کی نماز وہاں پڑھکر آگے بڑھا۔ بائسنغر میرزا کے چند امیر مع تین سو آدمیوں
کے بابر سے راہ میں ملگئے اور یہ ظاہر کیا کہ حضور ہی کی قدمبوسی کی آرزو کھینچ لائی ہے تحقیق
سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا قلعہ کے بچانیکا بیڑا اُٹھا کر بائسنغر میرزا کے دربار سے نکلے تھے۔ یہاں
جو عالم دیگرگون دیکھا۔ بابر کے ہواخواہ بنگئے۔ بابر اس دفعہ بھی محاصرہ کئے پڑا رہا اور قلعہ والوں سے
لڑا ایک پھر لڑائی میں اُسکی فوج کا قدم آگے ہی تھا۔ یہانتک کہ فصیل تک ترکتاز ہونے لگی۔ ایام
محاصرہ میں سمرقند کے تجارت پیشہ بابر کے لشکر میں کثرت سے مال فروخت کرنے آیا کرتے تھے ایک
روز عصر کیوقت لشکر والوں نے فساد کر کے اُن کو لوٹ لیا۔ بابر نے یہ سنکر حکم دیا کہ انکا تمام
مال بجنسہ واپس کر دیا جائے۔ صبح کو ایک پہر دن نہیں چڑھا تھا کہ سوداگر اپنے مال سے پھر مالامال

اور اونکی جب ہر چیز کسیکو پاس نہیں رہی۔ اُسکے لشکر کے ضبط و ترتیب کا اندازہ اس
واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ اہل قلعہ بہت تنگ آچکے تھے اور بابر کا پلہ بھاری ہو چلا تھا
اور امید ہوتی تھی ایک دو روز میں سمرقند فتح ہو جائیگا کہ آفتاب برج میزان میں آپہنچا اور
سردی کی گرم بازاری شروع ہوگئی اور سلطان علی میرزا نجارا کو لوٹ گیا۔ بابر نے مجلس کنگاش
منعقد کی اور کونسل میں یہ رائے قرار پائی۔ کہ شہر عنقریب فتح ہونے کو ہے اپنے ملک کو واپس جانا
مناسب نہیں یہیں کسی جگہہ قشلاق (سرما گزاری) کرلی چاہیے۔ خواجہ دیدار کا قلعہ متصل تھا وہاں
بابر اپنی فوج ہٹا لایا اور چند روز مکانوں کی تیاری کے انتظام میں پڑا رہا۔ بائسنغر میرزا نے شیبانی خاں[1] کو
ترکستان سے بڑی منت کرکے بلایا تھا جس روز بابر میدان سے اُٹھکر قلعہ میں پہنچا اسی روز خبر آئی کہ
شیبانی خاں آرہا ہے۔ بابر کے لشکر کے اکثر آدمی قشلاق کے بندوبست میں منتشر ہوگئے تھے یہ خبر سنکر جو سپاہی
موجود تھے انہیں کو لیکر میدان میں آجما۔ شیبانی خاں کے قدم مقابلہ نہ جم سکے اور سیدھا سمرقند کو چلا گیا
وہاں پہنچکر شیبانی خاں اور بائسنغر میرزا میں بے لطفی ہوگئی اور شیبانی خاں اپنے وطن کو واپس آیا
بائسنغر میرزا جب اُدھر سے بھی مایوس ہوا تو اپنے دو تین سو خستہ حال سپاہی لیکر خسرو شاہ کے پاس قندز
چلا گیا۔ خواجہ دیدار کے قلعہ میں قاصد مژدہ لیکر پہنچا اور یہ نوید سنتے ہی بابر سمرقند چلا آیا۔ راستہ میں
اکابر و امرا ہر جگہہ استقبال کو موجود تھے۔ سمرقند آکر بابر تخت پر متمکن ہوا اور امرائے سمرقند پر شاہان
گذشتہ کی مانند اُسنے توجہ کی۔ اپنے امرا کو بھی علی قدر مراتبہم انعام سے شاد کام کیا۔ شہر سمرقند
اور اسکے نواح کا ملک مسلسل حملوں نے بالکل تباہ کر رکھا تھا اور وہاں کے باشندے خود مدد کے محتاج
تھے بابر نے بہت سخت فرمان جاری کیے کہ رعایا تاخت و تاراج نہ کیجاوے۔ مغل تو لوٹ کی چاٹ پر ساتھ آئے
تھے یہ حکم سنکر بیدل ہوگئے۔ رسد جو فوج کے ہمراہ تھی وہ بھی ختم ہونے لگی۔ باہر سے رسد نہ آسکی اسلیے لشکر میں
ایک ابتری پڑگئی اور مغل سب کے سب چلدیے۔ اوزون حسن اور احمد تنبل دو امیر بھی نمکحرامی کرکے نکل بھاگے
اور باہر نکلکر یہ ستم ڈھایا کہ جہانگیر میرزا کو قبضہ میں کرکے بغاوت پر کمربستہ ہوگئے۔ اخسی و اندجان پہنچکر بابر کے پاس

---

[1] شیبانی خاں اپنے زمانہ کا نامآور اور جرار سپاہی سنہ ۸۵۵ھ میں ترکستان میں پیدا ہوا اسکے باپ دادا اگرچہ امیر تھے لیکن شیبانی خاں
کے ہوشیار ہونے سے پہلے انکی امارت کا دور ختم ہوگیا تھا۔ شیبانی خاں کو بیکسی میں مکروہات زمانہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ عبدالعلی ترخان سلطان احمد
میرزا بادشاہ سمرقند ایک امیر تھا اُسکی توجہ اور تربیت سے شیبانی خاں کی حالت درست ہوگئی کچھ لوگ اسکے گرد جمع ہوگئے اور قزاقی شروع کردی۔ نسل تیمور
کی باہمی نفاق میں شیبانی خاں عروج پکڑ گیا ایک بھائی کا ملک لوٹ آیا تھا اور دوسرے مخالف بھائی کی پناہ میں جا بیٹھتا تھا آخر تمام ترکستان اور خراسان
کا بادشاہ ہوگیا۔ بخارا اور سمرقند کو ازبک روسیوں کے سوا اور کسی کے زیر نگیں نہیں ہوا شاہان ایران کو ہمیشہ تنگ کرتا رہا [illegible]
تھی جسنے بابر کو دوبارہ دبانے پر امرا کو آمادہ کیا ۔

یہ پیغام بھیجا کہ سمرقند آپ کے قبضہ میں آگیا یہ ملک جہانگیر میرزا کو عنایت کر دیجیے۔ مغل جو چھپکر بھاگے تھے
اور بابر سے بہت ہراساں ہو رہے تھے علانیہ اخسی میں اسے جا ملے اور اسیطرح باغیوں کے گرد ایک
فوج فراہم ہوگئی۔ اس سرکشی سے بابر بہت برہم ہوا لیکن کیا کرتا اچھے بُرے سب ایک ہزار آدمی اسکے پاس
رہ گئے تھے انکو لیکر دشمن پر چڑھائی کرتا یا سمرقند کی حفاظت۔ تولون خواجہ اپنے ایک معتمد مغل کو
فراری مغلوں کے پاس بھیجا کہ دلاسا دیکر انکو واپس لائے اوزون حسن اور تنبل کے اشارہ سے مغلوں نے
اسکو وہیں مار رکھا اندجان سے سمرقند کو جاتے ہوئے بابر علی دوست کو حاکم کر آیا تھا اسکے بعد خواجہ
مولینا بھی وہاں پہنچگئے۔ باغیوں نے اندجان کو جا گھیرا۔ ایام محاصرہ میں خواجہ مولینا نے اپنے
اٹھارہ ہزار روپیہ شاہی ملازموں اور انکے اہل و عیال کو کھلا دیئے۔ اسی زمانہ میں بدقسمتی سے بابر سمرقند میں
سخت علیل ہوا اور مرض کی شدت مایوسی کے آثار دکھلانے لگی۔ چار روز تک زبان بالکل بند رہی
اور روئی سے منہہ میں پانی ٹپکایا جاتا تھا۔ جو لوگ بابر کے پاس رہگئے تھے مایوسی نے اُن میں بھی
نفسی نفسی مچادی یہاں بابر بستر بیماری پر پڑا تھا اور وہاں باغیوں نے اہل اندجان کو (جسمیں بیگمات
شاہی بھی تھیں) ایسا تنگ پکڑا کہ انکی جانپر بن آئی۔ بادشاہ کی ماں نانی اور استاد خواجہ مولینا نے متواتر
ایلچی سمرقند بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اندجان کی بدولت سمرقند فتح ہوا ہے اگر اندجان سلامت ہے تو سمرقند
پھر فتح ہوجائیگا اور اگر اندجان ہاتھہ سے نکل گیا۔ تو سمرقند بھی سنبھالے نہ سنبھلیگا جسقدر جلد ممکن ہو
یہاں پہنچو۔ بیچارے ایلچی بابر کیحالت زار دیکھکر دم بخود رہجاتے تھے پیام کسکو سناتے اور تعمیل
کون کرتا اسی ہنگامہ میں اتفاقاً باغی سردار کا ایلچی سمرقند گیا ہوا تھا شاہی نوکروں نے بادشاہ
کیحالت کوتہ اندیشی سے اسکو دکھا دی اسنے جاکر کہدیا کہ بادشاہ نزع میں پڑا ہے کوئی دم کا مہمان
سمجھو۔ علی دوست سے بھی حلفاً اسنے یہی بیان کیا وہ شہر کی حفاظت کرتے کرتے تنگ آگیا تھا
معاہدہ کرکے شہر کے دروازے کھولدیئے۔ شہر میں ابھی رسد بہت تھی اور کچھہ روز نامردی
دکھا سکتے تھے۔ مگر علی دوست کی نامردی نے یہ روز بد دکھایا۔ اسی اثنا میں بابر کو افاقہ ہوا
اور اندجان کے تاکیدی خطوط پڑھکر گھبرا اُٹھا اور ضعف ہی کیحالت میں سمرقند سے چل کھڑا ہوا
بابر سمرقند سے نکلا ہی تھا کہ سلطان علی میرزا نے آکر قبضہ کرلیا جسپر علی دوست نے اندجان
باغیوں کو حوالہ کیا اور یوں بابر سمرقند چھوڑ اندجان بچانے جاکے ہے

بابر کی پریشانی

خجند میں جب پہنچا تو یہ کیفیت سنی کہ باغیوں نے تو ابھی مولنا کو قلعہ کے دروازہ پر پھانسی دیکر شہید کر ڈالا اور تمام مال و اسباب انکا لوٹ لیگئے۔ بابر کی وہی مثل ہوئی (دین سو از دست دنیا سو از دست) سوائے حیران تھا کہ اب کیا کرے پریشان ہو کر کئی مرتبہ اپنے ماموں کے پاس تاشقند گیا اس سے مدد لی لیکن نہ سو دیکھی ملک آنیکے راستے سے پھر گئی کبھی منزل مقصود پر پہنچی۔ اتھہ پاؤں ہارے اور جسم کو ادھوا چھوڑکر لوٹ گئے۔ سچ یہ ہے ان پر اختیار مخالفین نے جہانگیر کی ظاہری بنیاد ڈالی تھی جیسا کہ بنا دیا جہانگیر۔ جب بابر اصرار کرتا مدد کو آموجود ہوتے تھے جب دوسری طرف سے جہانگیر کا اثر پڑتا چلے پھرتے نظر آتے۔ سیدھے سادے مغلوں میں اتنی سمجھ نہ تھی کہ باغیوں کی عیاری کو پا جاتے بابر کے اکثر نوکروں کے اہل عیال اندجان میں پھنسے ہوئے تھے بادشاہ کو ان مصیبتوں میں گرفتار دیکھکر انکے بھی جی چھوٹ گئے اور اسکی رفاقت چھوڑنے لگے چند ہی روز میں ہمراہیوں کی تعداد گھٹکر دو تین سو رہ گئی یہ وقت بابر پر نہایت نازک تہا نہ اس حیثیت سے کہ یہ اسکی سب سے بڑی تباہی تہی بلکہ اس وجہ سے کہ تجربہ نے ابھی اسکا دل مضبوط نہیں کیا تھا اور استاد زمانہ نے مصائب سے سینہ سپر ہونیکی گر ابھی اسکو نہیں سکہائے تھے۔ اپنی قلیل جماعت کیلئے کبھی اندجان جاتا اور کبھی سمرقند۔ یہی سرزمین اسکی جولانگاہ بن رہی تہی۔ ہمت ایک جگہہ آرام سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی اور اس چھوٹی سی جماعت سے خونخوار لشکروں کا مقابلہ ممکن نہ تھا سنہ میں ایک روز اسی بادیہ پیمائی میں ابو المعالی اس زمانہ کا ایک دیرینہ سال دانشمند سردار اسکو ملا۔ بابر نے اپنی کیفیت بیان کی اور کہا کہ اب کیا کروں ابن یکیسی اور بابر کے سن و سال پر نظر کرکے ابو المعالی کا دل بھر آیا اور آنسو ڈبڈبا آئے۔ صلاح درکنار فرط بیتابی نے وہاں بیٹھنا دشوار کر دیا

حیرتی نالہ و رندہ دل چیندار کرد کہ دل مایہ بدرد آمد و اغیار گریست

یہ دیکھکر بابر بھی اپنی مصیبت پر خوب رو دیا۔

ترقی

اس بے دلیلی کو دیکھو کہ اسیر و زشانی تو دست کا پیامبر مرغینان سے آتا ہے اور اپنے آقا کیطرف سے گزارش کرتا ہے کہ گذشتہ برس قصور سرزد ہوا افسوس ! اسکی تلافی کچھہ نہیں کر سکتا مرغینان البتہ میرے قبضہ میں ہے اگر قدم رنجہ فرمائیے تو پیش کرکے بار ندامت سے کچھہ ہلکا ہو جاؤں مغرب کیطرف یہ مژدہ پہنچا مرغینان یہاں سے چہتر کوس تہا۔ اسیوقت بابر نے گھوڑے کی باگ اٹھادی اور تیسرے روز مغرب کے

وقت مرغینان میں کھڑا تھا علی دوست نے جان بخشی کا عہد لیکر قلعہ سپرد کر دیا اور سننے کو
قابل یہ بات ہے کہ علی دوست پر قابو پاکر بادشاہ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ اندجان میں تو نے کیا کیا تھا پانو
جمانے کیواسطے بابر کو ذرا سی جگہہ درکار تھی۔ مرغینان پر قبضہ کرکے چند روز میں اخشی اور اندجان دونو
لے لئے۔ رعایا تو ذون حسن اور تنبل کی تبہ کاریوں سے بہت برہم تھی بابر کے آتے ہی دونوں کے
قدم اکھڑ گئے۔ اور ذن حسن اخشی میں مع اہل وعیال کے گرفتار ہو گیا۔ لیکن بابر کی نہ تھکنے والی
عفو نے اُسکو بحفاظت قلعہ سے نکالکر حصار کیطرف رخصت کر دیا تنبل جہانگیر کو لیکر اوش بھاگا۔
اور بابر اسکو شکست پر شکست دیتا ہوا بربادی کے کنارے پر لے آیا تھا کہ بعض نمک حراموں اس سے ملکی
بد قسمتی سے بابر کے دربار میں اُسوقت بھی امرا بہت مقتدر تھے۔ اپنے طور پر انہوں نے ایک عہد نامہ
لکھکر فرغانہ کو دو حصے کر ڈالے شرقی حصہ اوش وغیرہ جہانگیر کو دیدیا اور غربی اندجان وغیرہ
بابر کیواسطے رکھ لیا۔ بابر اس تقسیم کو کب پسند کرتا۔ دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند۔ لیکن ان
نفاق پیشہ امرا نے اپنے اقتدار کا دباو ڈالکر اُسکو ماننے پر مجبور کیا اور وہ مصلحتہً زہر کا سا
گھونٹ پیکر رہ گیا۔

بابر کی پہلی شادی

سلطان احمد میرزا کی بیٹی عایشہ سلطان بیگم منسوب ہو چکی تھی۔ اُس سے شعبان ۹۰۵ھ کو
۱۷ برس کی عمر میں بابر نے پہلی شادی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بیگم کی افتادہ مزاج نے باہم سازگاری
وارتباط کی بنا ابتدا ہی سے نہیں پڑنے دی۔ ایک لڑکی اس بیگم کے بطن سے ہوئی۔
جسکا نام فخر النسا رکھا گیا تھا مگر آخر مفارقت ہو گئی۔

سمرقند میں پھر فتور مچگیا۔ سلطان علی میرزا اب جوان ہو گیا تھا اور اپنے امراء کے ہاتھ
میں سے نکلنے لگا۔ اول تو انہوں نے جبراً اُسکو مطیع کرنا چاہا۔ لیکن وہ بھی ترک بچہ تھا۔ سہل کب قابو
میں آتا۔ اُسنے خود ان امرا کا زور توڑنا شروع کیا۔ اُنہوں نے بابر کو سمرقند پر حملہ کی ترغیب دی۔ یہ
خود سمرقند کی تمنا میں بیٹھا تھا خبر پاتے ہی روانہ ہو گیا اور ڈاک چوکی میں جہانگیر کے پاس پیام بھیجا کہ آؤ
ملکر سمرقند فتح کریں فتح کے بعد سمرقند ہمارا فرغانہ تمہارا۔ بابر سمرقند کو روانہ تو ہوا مگر جس سرزمین سے ابھی
قدم اُٹھے تھے بغاوت اپنا قدم جما لیتی تھی۔ بابر نے اسطرف کچھہ توجہ نہیں کی۔ اول تو یہ وہ جانتا تھا کہ
تنبل کے بل پر کود رہے ہیں جبتک وہ سلامت ہے بغاوت ہر وقت موجود ہے۔ دوسرے سخت بلا یہ تھی کہ اسکی بڑی بڑی

امرا مار آستین بن رہے تھے نہ توان سرداروں کے نفاق کے سبب تنبل کی سرکوبی کر سکتا تھا اور
نہ تنبل کے اتصال کے سبب ممکن تھا کہ ان امرا کا استیصال کر ڈالے سمرقند کو جاتے ہوئے
اُسنے یہ عزم کر لیا کہ اس مہم کے بہانہ ان امرا کو تنبل سے دور لیجا کر سمجھ لینا چاہیئے سمرقند فتح کر کے تنبل
کو بھی دیکھ لونگا۔ اور اگر یہیں بیفکر بیٹھا رہا تو یہ غضب کی دو توپیں ایک روز قیامت برپا کرینگی راستے
میں اکثر امیر اور بابر کے فدائی جنکو سرکش امیروں نے علحدہ کر دیا تھا بابر سے ملگئے اور بابر انکو بلند کر کے
مخالفوں کو پست کرتا گیا وہ اس رمز کو سمجھتے مگر جب تنبل سے دور جا پڑے تھے اور تو کچھ نہ بن پڑا بابر
سے رخصت چاہی۔ اسنے بھی بجان منت کہہ کر رخصت کر دیا اور وہ جاتے ہی تنبل سے ملگئے۔ ان امرا کے چلے جانے
سے اگرچہ بابر کے لشکر کی تعداد گھٹ گئی مگر ایک ناسور جو اسکو اندر ہی اندر تحلیل کر رہا تھا نکل گیا۔ بابر جبتک
سمرقند پہنچے سلطان علی میرزا اپنے امرا کا قرار واقعی تدارک کر چکا تھا وہ خود سمرقند کے قریب آ کر بابر سے
ملگئے۔ لیکن ابھی اتنی قوت انمیں نہ تھی کہ لیجا کر تخت پر بٹھا دیتے۔ بابر سمرقند کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ خبر آئی
کہ شیبانی خاں بھی اس شہر کے ارادہ سے آتا ہے۔ ازبکوں کے مقابلے کی تاب کس میں تھی۔ بابر
ہٹ کر ایک اور قلعہ میں چلا گیا شیبانی خاں نے محاصرہ کر کے سلطان علی میرزا کو یہ لالچ دیا کہ اگر
شہر خالی کر دو تو تمہارے باپ کا اصلی ملک تمکو دیدونگا۔ یہ خام کار شہزادہ نقد کو نسیہ کے عوض دینے
پر آمادہ ہو گیا اور ایکروز چپکے سے شہر سے نکلکر شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ وہاں پہنچتے ہی معلوم
ہو گیا کہ اجل اسکو دھکیل کر وہاں لائی تھی۔ اذا جاء القضاء عمی البصر جلادوں نے سلطان
علی کی گردن اڑا دی اور تخت پر شیبانی خاں نے جلوس کیا۔ بابر کو وہ قلعہ بھی چھوڑ کر بے سر و سامانی
سے حصار کی طرف جانا پڑا حصار پر خسرو شاہ حاکم تھا۔ اپنے ولی نعمت کے لخت جگروں کو برباد کر کے
مستقل بن بیٹھا تھا مسعود میرزا کو اندھا اور بایسنغر میرزا کو قتل کر کے اس بدبخت نے اپنا راستہ
صاف کر لیا۔ بابر پھر مصیبت کے گرداب میں پھنس گیا۔ موروثی ملک سمرقند کی خاطر باغیوں کو
دیکر آیا سمرقند کا ایک زبردست عقاب اُڑا لیگیا۔ خسرو شاہ اپنی بدکاری پر پردہ ڈالنے کو سخی بن گیا
تھا اور جو بگڑا ہوا شہزادہ یا امیر اسکے یہاں جاتا سیر چشمی سے اسکی مدارات کیجاتی۔ یہی خیال بابر
کو حصار لیگیا۔ حصار پہنچکر دو روز در خسرو شاہ کے ملک میں گھومتا رہا۔ اسنے تھوڑوں کو بھی یہ
نہیں پوچھا کہ کون ہے۔ مصرع۔ آنچہ رحم از دل برد تاثیر فریاد دلست ٭ و آنچہ نسیان آورد خاصیت یاد دوست
آخر مایوس ہو کر پھر سمرقند پر طالع آزمائی کو پھرا۔ قریب آ کر سنا کہ شیبانی خاں اپنے ایک افسر کو پانچ
چھ آدمیوں کے ساتھ سمرقند میں چھوڑ گیا ہے اور خود تین چار ہزار آدمی سے خواجہ دیدار میں ہے۔ بابر کے پاس [illegible]

چالیس آدمی بھیجے ہمت نے اسپر تخت سمرقند کا تقاضا کیا۔ امرا نے مشورہ کو بلا کر یہ مشورہ دیا کہ شہر سمرقندی اوزبکوں سے راضی نہیں ہونگے اور خاندان تیموریہ سے انکو لگاؤ باقی ہے۔ اگر غفلت میں ہم شہر جا پہنچیں تو شہریوں کی مدد سے دشمن کے سپاہی آسانی سے نکل سکتے ہیں۔ بابر نے لکھا ہے کہ انہی روزوں میں میں نے ایک عجیب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار تشریف لائے ہیں میں استقبال کو گیا خواجہ صاحب آکر بیٹھ گئے اتنے ہی میں ایک شامت کا مارا خدمتگار نے میلا سا دسترخوان انکے سامنے لا بچھایا۔ اسکی کثافت خواجہ صاحب کو ناگوار ہوئی۔ خواجہ بابا (ایک دوسرے شخص) نے میری طرف اشارہ کیا میں نے معذرت کی کہ خدمتگار کی خطا ہے میرا قصور نہیں۔ خواجہ صاحب اس معذرت سے خوش ہوئے اور چلتے ہوئے میرا ایک بازو پکڑ کے مجھے ایسا اٹھایا کہ میرا ایک پاؤں زمین سے اٹھ گیا۔ اسکے بعد فتح سمرقند کی بشارت دی۔ نماز ظہر کے بعد بابر سمرقند پر ایلغار کی۔ نصف شب کو شہر کے نیچے پہنچا پل مغاک کے پاس ہوا اور چند جوان بھیجے کہ عاشقان کے پاس زینہ لگا کر فصیل پر چڑھ جائیں اور دروازہ فیروزہ پر قبضہ کرکے کھلا بھیجیں۔ جانباز جوانوں نے اس حکم کی خوب تعمیل کی اور دروازہ کا کھلنا فتح فیروزی کی تمہید تھی۔ بابر شیر کیطرح شہر میں در آیا اور دوبارہ تخت سمرقند پر بیٹھ کر قند مکرر کا لطف اٹھانے لگا۔ شہر والوں کو منہ مانگی مراد ملی۔ آ آ کر نذریں پیش کرنے لگے۔ شہر کے بے فکرے اوزبکوں پر ٹوٹ پڑے۔ چار سے پانسے ازبک دم کے دم میں ٹکڑے کر کے پھینک دیئے۔ شیبانی خان کا نائب طلوع کیوقت اپنے آقا کے خیمے میں پہنچا۔ یہ خبر سنکر وہ دو سو منتخب سپاہی لیکر شیبانی خان بڑے دروازہ تک ہو آیا اور دروازوں کو مسدود پا کر لوٹ گیا۔ بابر شیبانی خان کے حرکت سے اُسکے ارادوں کو سمجھ گیا تھا۔ چاروں طرف ایلچی یہ پیام لیکر پہنچے کہ شیبانی خان تمام نسل تیمور کا دشمن ہے روز بروز اسکا زور بڑھتا جاتا ہے۔ اسوقت موقع ہے کہ ہم جمع ہو کر اسکی قوت کو توڑ دیں۔ کمک تو کہیں سے نہ آئی شاید یہ پیام خود غرضی پر محمول ہوا ہوگا۔ چاروں طرف کی رعایا البتہ بابر کیطرف متوجہ ہوگئی۔ جابجا قلعوں سے اوزبکوں کو نکال دیا۔ دور قرب وجوار کے شہر والوں نے بابر کے ناموں کو پھر شہر سونپ دیئے۔ شیبانی خان کے پاس فوج تھوڑی تھی یہ اندیشہ کر کے کہ بابر دست خار صاف بیٹھا ہے ایسا نہو کہ اس کامیابی کے موقع پر بچا نکالنے پر ٹوٹ پڑے بخارا چلا گیا۔ آئندہ فصل بہار میں اوزبک سردار نے پھر حملہ کیا۔ بابر نے کوشش کر کے کچھ فوج فراہم کرلی تھی اور اس قابل ہوگیا تھا کہ اس شہر سے باہر نکلکر اوزبکوں سے جا بھڑا۔ اس حملہ میں کسیقدر جیت بابر کیطرف تھی ہوئی اور اسکی سزا میں نکلی۔ بابر نے اس جلدی پر بہت ہی افسوس کیا ہے اور لکھا ہے

کہ مناسب موقع کا پہلو اختیار کرنا اسکا نام تجربہ ہے۔ شکست کے بعد بابر کو محصور ہونا پڑا اور ایسے
محصور ہونے میں رسد بٹنے کی جو آفت عموماً پڑتی ہے اسپر بھی پڑی لوگ شہر کے اکثر کتے اور گدھے
کھا گئے۔ گھوڑوں کو لکڑی کا برادہ بھگو بھگو کر کھلا دیا۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ شہتوت کے پتے گھوڑوں کو
بہت موافق تھے۔ اس نفیس رسد سے کبتک بسر ہوتے۔ لوگ گھبرا اٹھے۔ اور فصیلوں سے
کود کود کر بھاگنا شروع کیا۔

سمرقند پھر ہاتھ سے نکل گیا۔

شیبانی خاں نے موقع پاکر صلح کا پیام بھیجا بابر اس پیام سے نفع اٹھاکر آدھی رات کو شہر سے نکل آیا۔
لیکن اس آشفتگی اور سراسیمگی سے نکلا کہ اسکی بڑی بہن خانزادہ بیگم دشمن کے قبضہ میں پھنس گئی اور
بعد کو شیبانی خاں نے اس سے نکاح کر لیا۔ راستے میں دو سرداروں نے گھوڑا دوڑایا۔ اسکا گھوڑا نکلگیا
یہ دیکھنے کے واسطے کہ حریف کتنے پیچھے ہیں بابر کا پھر تنگ ٹوٹ گیا تھا۔ پھرتے ہی سر کے بل زمین
پر آرہا دماغ پر سخت صدمہ پہنچا اور تمام دن بدحواسی طاری رہی۔ بابر اس قصہ کو لکھکر کہتا ہے کہ ایسے
واقعے اور حادثے پے درپے ٹوٹ رہے تھے۔ لیکن بالکل خواب و خیال معلوم ہوتے تھے۔ پڑتے تھے اور گذر
جاتے تھے۔ بابر کی قسمت پھر سرگردانی میں گھسیٹ لائی۔ اسی بادیہ گردی میں ایک گاؤں میں پہنچا اور
مقام عبرت ہے کہ فرغانہ و سمرقند کا بادشاہ ایک مقدم کے گھر میں ٹھیرا۔ مقدم کی عمر ستر اسی برس کی تھی
اور ماں بھی ابھی زندہ تھی۔ بڑی بی ایک صدی سے بھی ۱۱ برس بڑھی تھیں۔ ان کے بیٹے بیٹی پوتے پوتی وغیرہ
۹۶ خاص اس گانو میں موجود تھے اور اگر عورتوں کے شوہر اور مردوں کی عورتیں بلائی جائیں تو
دو سو پر نوبت پہنچتی۔ غالباً بڑی بی کی اس برکت نے بیٹے کے مقدم ہونے میں بہت مدد دی ہوگی بڑی
بی کے پوتے کے پوتے کی عمر پچیس برس کی تھی۔ فرط وحشت میں گاؤں کے قریب پہاڑوں پر بابر ننگے پاؤں
پھرا کرتا تھا۔ ننگے پاؤں پھرتے پھرتے یہ نوبت ہوگئی تھی کہ سنگ و کوہ تفاوت نمے کرد۔ ایک روز سنا
کہ شیبانی خاں شہر خیبہ پر دھاوا کرنے جاتا ہے۔ چونکہ قریب ہو کر نکلا۔ بابر اسکے تعاقب کو تیار ہوگیا۔ موسم بہت
سرد تھا۔ اور برف کثرت سے پڑ رہی تھی۔ اثنا راہ میں ایک چشمہ ملا کنارے پر تو برف کا سکہ بیٹھا
ہوا تھا لیکن پانی نے اپنی تیزی اور چالاکی سے اپنے اوپر برف کا نقشہ نہیں جمنے دیا۔ بابر کو گویا
تفریح کا سامان مل گیا۔ اور چشمہ میں کود پڑا اور جبتک ۱۶ غوطے نہیں لگائے باہر نہیں نکلا۔ ان
جزوی حکایتوں سے اس نامور بادشاہ کی جبلت و خصلت کا پتہ لگ سکتا ہے۔ یونان کی تاریخ میں ہیرو

کے شیدائی ایک حکایت بیان کیگئی ہے۔ ولدادہ اور دلربا کے شہروں کے درمیان آبنائے ڈارڈینلز
(واسطے یورپ و ایشیا کو جُدا کرنے والی) مخل تھی۔ جانباز شیدا ہر شب آبنا کو تیر کر کوئے دلدار کو جایا کرتا تھا
ہیرو اپنے شہر کے ایک منارہ پر بیٹھکر مشعل دکھایا کرتی تھی تاکہ اسکی رہنمائی ہو۔ ایکی سپیدہ میں چلا
آئے ایک رات سنگدل طوفان نے آلیا۔ اور تفتہ جگر ڈوب گیا۔ اس جانباز کی قدر افزائی اور
یادگار کے لیئے یورپ کے من چلے اب بھی اس آبناء کو تیرا کرتے ہیں۔ اس مقام پر آبنا کی فراخی ایک
میل ہے۔ ہمارا ہیرو جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو سندھ سے لیکر گنگا تک تمام ذخار دریاؤں کو تیر کر اترا
اور اسکو اسنے فخر سے اپنے حالات میں بیان کیا ہے۔ آمدم بسر مطلب۔ اسی عرصے میں بابر نے پامردی سے
اخسی پر قبضہ کر لیا۔ جہانگیر بھی تنبل کے جنگل سے نکل گئے
جسوقت بابر اپنے دشمن تنبل سے لڑ کر اخسی سے نکلا ہے تو صرف
تیس آدمی ہمرکاب تھے۔ اور دشمن کی سوار ہنوز اسکے ہمراہیوں کو گرفتار کرتے
چلے آتے تھے۔ اسی میں عقب میں ابراہیم بیگ نے بادشاہ کی دہائی دی۔ بابر نے جو لوٹ کر دیکھا
تو ایک غنیم کا سپاہی اس سے چپٹا ہوا تھا۔ وقت اگرچہ بہت نازک تھا مگر اسکی مدد کو بابر نے باگ
پھیر ہی دی۔ میاں قلی اور خان قلی دو امیروں نے بڑھ کر گھوڑا روکا اور عرض کیا یہاں اپنی جان
لیکر بھاگنا مشکل ہے، دوسروں کی مدد دینے چہ۔ خدا کے لیئے اسطرف نہ جائیے۔ بابر کو لوٹنا پڑا۔ اخسی سے
دو کوس پر جاکر کہیں غنیم نے پیچھا چھوڑا۔ اب بابر سمیت صرف ۸ آدمی رہ گئے۔ تھوڑی دیر
میں کئی ایک سپاہی محسوس ہوئے۔ بابر سب کو ایک چٹان کی آڑ میں کر کے خود دیکھنے کو اوپر چڑھ
گیا۔ معلوم ہوا کہ دشمن کے سوار ہیں۔ وہاں سے بھی بھاگے۔ خان قلی نے بادشاہ سے کہا کہ یونہی
بھاگنا ٹھیک نہیں۔ ان آٹھ گھوڑوں میں سے دو تازہ دم گھوڑے چھانٹ کر حضور اور میرزا
قلی سرپٹ کر جائیں۔ یوں شاید جان بچ جائے۔ ورنہ دشمن نے آلیا۔ مصلحت وقت یہی تھی لیکن
بابر کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ مصیبت میں اپنے رفیقوں کو چھوڑ دے۔ اس صلاح پر عمل کرنے
سے اسنے قطعاً انکار کیا۔ تھوڑی دور چلکر بادشاہ کا گھوڑا بے دم ہو گیا۔ خان قلی نے اتر کر
اپنا گھوڑا پیش کیا۔ بابر اپنے گھوڑے سے کود کر اسپر ہو رہا۔ دشمن نے آکر تین سردار اور گرفتار کر لیئے۔ اب
بابر کے ساتھ صرف تین آدمی باقی ہیں۔ تھوڑی دور پر دوست بیگ کا گھوڑا الجھ رہ گیا۔ اور چلکر بادشاہ
کا یہ گھوڑا بھی ہلنے لگا۔ قنبر علی نے حق خدمت ادا کر کے اپنا گھوڑا نذر کیا اور بابر اسپر سوار ہو لیا۔ اب صرف
بابر اور میرزا قلی رہ گئے۔ تھوڑی دور اور چلے تھے کہ میرزا قلی کے گھوڑے کی باری آئی۔ بادشاہ نے کہا کمبخت مجھ

چھوڑکر کہاں جاؤں یہہ کہکر اپنی گھوڑی کو آہستہ کرلیا میرزا قلی نے کہا کہ حضرت اگر آپ میری فکر میں رہے تو آپ بھی گرفتار ہوجائینگے اپنی فکر کیجئے شاید خلاصی ہوجائے آخر میرزا قلی بھی چھٹ گیا بابر تنہا چلا جاتا ہے کہ دو دشمن کے سواروں نے آلیا اور قسمت کی کھیل کہ گھوڑی کا دم بھی بیٹھنے لگا۔ ایک پہاڑ سامنے سے نظر آیا بابر کو اپنے پاؤں پر پورا اعتماد تھا یہ سوچکر کہ پیدل پہاڑ میں کسی طرف نکل جاؤنگا گھوڑا برابر بڑہائے گیا۔ بندہ علی اور بابا برسرائی وہ دو نو سوار بھی چلے آتے تھے مگر بابر کو پیدل ہونے کا ڈر تھا دور سے ایک گولی کے ٹپہ پر سواروں نے جب دیکھا کہ یہ ظالم کسیطرح رکتا ہی نہیں تو اونہوں نے کہا کہ جہانگیر اور ناصر میرزا دونو گرفتار ہوگئے۔ یہ خبر سنکر وہ مضطرب ہوا کہ ہم سب اگر دشمن کے بس میں آگئے تو جو آس بندہ رہی ہے وہ بھی تو ٹوٹ جائیگی۔ لیکن انکو کچھہ جواب نہیں دیا اور بدستور گھوڑی کو بڑہاتا رہا آخر وہ دونو عیار گھوڑوں سے اوتر پڑے اور چاپلوسی کی باتیں بنانے لگے۔ بابر خوب سمجھتا تھا کہ یہ جفا کار باتوں میں لگاکر میرا راستہ کھوٹا کیا چاہتے ہیں کان انکی باتیں سنتا رہا مگر ہاتھہ برابر گھوڑے سے ہانکے جاتی تھی۔ سامنے سے ایک چٹان نے بابر کا گھوڑا روکا دیکھا تو دوسری جانب بھی راستہ نہیں ہے اب دشمنوں نے کہا کہ رات اسقدر تاریک راستہ مخدوش آخر اس جان مارنے سے نفع کیا۔ آپ لوٹ کر تنبل کے پاس چلے چلیے وہ آپ کو تخت پر بٹھاکر خدمتگزاری کو موجود ہے۔ بابر پر ایسے افسوں کب اثر کرتے تھے اُسنے کہا یہ تو سب خرافات ہے اگر کچھہ خیرخواہی میرے ساتھہ کیا چاہتے ہو تو یا مجھے تاشقند کا راستہ بتادو کہ اپنے ماموں کے پاس چلا جاؤں یا مجکو بحال خود چھوڑکر لوٹ جاؤ۔ اونہوں نے جواب دیا کہ کاش ہم نہ آئے ہوتے اور اب آئے ہیں تو آپ کو بلا میں چھوڑکر کس دل سے لوٹ جائیں۔ اپنی منتر کو مؤثر بنانے کے واسطے اونہوں نے شدید قسمیں کھائیں۔ تنگدل بابر کو فی الجملہ اطمینان ہوا اور پیادہ پا انکے سامنے چلنے لگا چند قدم پر چلکر کچھہ سوچا اور انکو آگے رکھہ لیا۔ بابر پہلے ہی دریافت کرچکا تھا کہ آگے ایک سڑک ملیگی اور وہی منزل مقصود کی راہ ہے بابر سڑک پر پہنچا۔ لیکن وہ چالاک دہوکہ دیکر اسکو دوسری طرف لیگئے صبح ہوتے ٹھکانے پر پہنچکر کہنے لگے کہ ہم راستہ بھول گئے۔ سڑک تو پیچھے رہ گئی۔ بابر یہ سنکر متردد ہوا کہ صبح ہونے آئی آبادی قریب اور منزل مقصود کا پتہ نہیں۔ آخر تینوں دن کاٹنے کے لیئے ایک پشتے کی آڑ میں ہو رہے۔ جس آبادی کے قریب بابر کی گردش تقدیر لیگئی تھی۔ بندہ علی اسکا حاکم تھا۔ بابر سے یہہ کہکر کہ حضور کیواسطے خاصہ اور گھوڑوں کے لیئے دانہ چارہ حاضر کرتا ہوں ایک قصبہ کو چلا گیا وہاں سے جب بڑی دیر میں پیر مرشد لوٹے تو دانہ چارہ ندارد تھا خاصہ البتہ لائے اور وہ کیا صرف تین روکھی روٹی۔ ان میں سے بھی ایک ہی بادشاہ کے حصہ میں آئی۔ بادشاہ سلامت اپنی روٹی بغل میں دبا چپکے سے پھر پشتے کی آڑ میں آبیٹھے۔ نصف شب کو وہ شر الطایف الحیل سے بابر کو

قصبہ کے ایک باغ میں لے آئے۔ تنبل کے پاس قاصد پہلے دوڑا چکے تھے کہ بابر
کو قابو میں کر لینے کا موقعہ ہے۔ بابر باغ میں جا پہنچا تو سردی بہت تھی۔ ایک شکستہ پوستین
ملگئی اُسکو پہن کر آتشدان کے پاس سو رہا۔ صبح کو باباشیرالی نے جو پہرہ پر تھا آکر عرض
کی کہ یوسف داروغہ حاضر ہے۔ یوسف داروغہ دشمن کا ملازم تھا۔ اُسکا نام سنتے
ہی بابر فکر میں ڈوب گیا۔ اور اُسکے بے چین خیالات نہ معلوم کہاں سے کہاں جا
پہنچے۔ اتنے میں یوسف داروغہ بھی آگیا۔ اور آتے ہی کہنے لگا کہ آپ سے کہاں چھپو لیا
آپ کے دشمن بابر بیگ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ سنتے ہی بابر کے ہوش اُڑ گئے۔ ملک و
سلطنت عزیز قریب سب دشمنوں کے پنجے میں تھے۔ آیندہ فلاح کی اگر کچھہ توقع تھی تو صرف اپنی اکیلی
جان کے بھروسے پر اب اُس سے بھی مایوسی ہوئی جاتی ہے۔ فرط اضطراب میں کہنے لگا کہ اگر ارادہ
کچھہ اور ہے تو مجھکو وضو کر لینے دو۔ یوسف داروغہ قسم کھانے لگا۔ اسوقت اُسکی قسم پر اعتماد کرنا
بابر کی قوت سے خارج تھا۔ اپنے جو دل کو ٹٹولا تو نہایت ضعیف پایا طبیعت کو سنبھالنے کے لیئے باغ
کے ایک گوشہ میں چلا گیا اور دلکو یوں تسلی دی کہ اگر دنیا میں سو برس رہے تو بھی ایک روز مرنا ہے۔ پھر
بیتابی اور پریشانی عبث بے سود ہے۔ آخر بابر ان کینہ خواہوں کے پنجے سے نکل گیا۔ دشمنوں کے غلبہ اور
انتظام نے ماموں کے پاس تک رسائی نہ ہونے دی اور سال بھر تک بدخشان کے کوہستان
میں بیکسانہ اور تنہا ٹکریں مارتا رہا۔ ؎ زین غم کہ بکس نیتواں گفت با تنہا است کہ غمگسار
خویشم ۔ احمد تنبل وغیرہ کو بہت جلد معلوم ہو گیا۔ کہ شیبانی خاں کا مرد میدان اگر تھا تو بابر۔ بابر تو
اس دشت نوردی میں رہا وہاں شیبانی خاں تنبل اور اسکے اقران کو نیست و نابود کر کے فراغت
سے فرغانہ پر متصرف بن بیٹھا۔ خود بابر کے ماموؤں کو اُسنے قید کر لیا۔ اور سلطان محمود خاں
رہائی پاکر اس ذلت کے صدمہ سے گھل گھلکر مر گیا۔ اُدہر شیبانی خاں بام عروج پر انا ولا غیری
کا دم بھر رہا تھا اور اُدہر جائے عبرت ہے کہ یہی مقولہ عجیب طور پر بابر کے بھی حسب حال تھا
کیونکہ بدخشان کے سنسان کوہستان میں غیر کا کوسوں نشان نہیں تھا۔

افغانستان پر یورش

سنہ ۹۱۰ھ بابر کے قدم تخت کے واسطے بنے تھے۔ اگر تخت پر نہ تھے تو اُن کو راہ طلب میں ہونا
ضرور تھا۔ سال بھر کے بعد یہ شہر کوہستان سے بھر نکلا۔ آکسس سے شمالی کنارے پر اس کوہستان

جنوب میں ترمذ ایک شہر ہے۔ کوہستان کے شمالی جانب تو اوزبکوں کی وجہ سے جا نہیں سکتا تھا
پہاڑ سے نکلکر ترمذ چلا آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسوقت زمانہ یہہ فیصلہ کر چکا تھا۔ کہ وسط ایشیا سے
اولاد تیمور کی حکومت اٹھا دی۔ سمرقند۔ بخارا۔ اور فرغانہ کے ماجرے تو آپ نے سن ہی لیے
کابل پر الغ بیگ (بابر کا چچا) حکمران تھا۔ اسکا انتقال ہوا۔ وارث تخت صغیر سن تھا۔ امرا میں
نیابت کی بابت نزاع ہوا۔ نیابت درکنار خود ملک کھو بیٹھے۔ قندہار میں سلطان حسین میرزا
بادشاہ خراسان کیطرف سے ذوالنون ارغون حاکم تھا۔ کابل کے جھگڑے کا قصہ سنکر اپنے بھائی مقیم
کو کابل میں بھیجا۔ مقیم نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ اور قبضے کو کامل کرنیکے واسطے میرزا الغ بیگ کی بیٹی سے شادی
کر لی۔ اسطرح کابل سے بھی خاندان تیمور محروم ہو گیا۔ یہی زمانہ ہے۔ بابر کے ترمذ پہنچنے کا۔ وہاں محمد باقی
خسرو شاہ کا بھائی والی تھا۔ اوزبکوں کی دہشت سے محمد باقی کا دم فنا ہو چکا تھا۔ اور ہروقت
بھیانک صورت بربادی کی اسکی آنکھوں میں گھومتی تھی۔ بابر کو پناہ سمجھکر اسنے نہایت تپاک
سے لیا۔ بابر کو اس مخلصانہ مدارات سے بہت تقویت ہوئی۔ اور اس سے مشورہ کیا کہ اب کدھر جانا
چاہیئے اور کیا کرنا مناسب ہے۔ محمد باقی نے یہ اشعار پڑھے ع مداری اگر با عدو زور جنگ ؛ طریق
مدارا گزیں بیدرنگ ؛ بہ ملکش بجائی نما انتقال ؛ کہ یک چند فارغ شوی از قتال ؛ اور پھیر
کابل کا قصہ کہہ سنایا۔ بابر نے یہ سنکر کابل پر یورش کی عزیمت کر لی۔ محمد باقی بھی ساتھ ہوا۔ بابر
جب ترمذ سے چلا ہے تو صرف دو سو تین سو آدمی ہمراہ تھے ع پریشان جمعی و جمعی پریشان ؛ اکثر
پیدل ہاتھوں میں تلوار کی جگہہ سونٹے لشکر بھر میں صرف دو ڈیرے تھے۔ ایک بادشاہ کا تھا۔ ایک
اسکی ماں ہمشیر کی تھی۔ اور بادشاہ سلامت بے ڈیرے کے میدان میں بسر کرتے تھے۔ رسد کا
کچھ بندوبست محمد باقی نے اپنی گرہ سے کر دیا تھا۔ ترمذ سے یہ باشان و شوکت لشکر نکلکر خسرو شاہ
کی عملداری میں پہنچا۔ خسرو شاہ پر ولی نعمت زادوں کے اندھا اور قتل کرنیکی لعنت ابتک
رہی تھی اور اوزبکوں کے خوف سے اپنا لشکر ادھر سے ادھر لیئے بھاگا پھرتا تھا۔ اسکی شامت اعمال اور
بابر کے اقبال سے دونوں لشکر کسی موقع پر جمع ہو گئے۔ بابر نے جو اسکے لشکر کی نبض پر ہاتھ رکھا
تو پایا کہ تمام لشکر خسرو سے برگشتہ اور شاہی خدمت پر مائل ہے۔ خود خسرو شاہ بھی کورنش کیواسطے
حاضر ہوا۔ دو تین ہی روز میں اسکی سب فوج ٹوٹ کر بادشاہ سے آملی اور خسرو شاہ اکیلا رہ گیا۔
میرزا خان بابر کے ہمراہ تھا۔ اس نے اسکو اپنے بھائیوں کا قتل یاد دلا کر قصاص کا دعوی کیا۔ بابر خسرو شاہ
سے جان بخشی کا عہد کر چکا تھا۔ اسکو گوارا نہ کیا کہ بیکسی و درماندگی میں اس سے عہد شکنی کرے خسرو شاہ

کو اجازت دی کہ اپنا مال جسقدر لیجا سکے لیجائے۔ اپنے تمام جواہرات نقد اونٹوں پر لاد کر خسرو شاہ لے گیا۔ صرف خیمہ وغیرہ بابر کو ملے اس عدو غیبی کو لیکر بابر نے کابل آگھیرا۔ مقیم کچھہ روز تو مقابلہ پر قایم رہا۔ آخر امرا کو بیچ میں ڈالکر حاضر ہوگیا۔ بادشاہ نے اسکی تشفی کی اور وعدہ کیا کہ کل تمہارا سب مال واسباب بحفاظت نکلوا دیا جائیگا۔ اگلے دن جہانگیر اور ناصر میرزا کو حکم دیا کہ مقیم کو شہر تک پہنچا آویں۔ خسرو شاہ کے نوکر ظلم اور رہزنی کے عادی ہو رہے تھے ان سے کب ممکن تھا کہ مقیم کا مال یوں ہاتھ سے نکلجائے۔ یہ لوٹ پر آمادہ ہوگئے۔ جہانگیر اور ناصر نے کہلا بھیجا کہ یہ لوگ ہمارے قابوں کے نہیں آپ خود تکلیف کریں۔ بابر نے جو آکر دیکھا تو خاصہ بلوہ ہو رہا تھا آپنے ہی خود دو چار کے تیر مارے دو ایک کے سر قلم کرائے۔ جب یہ طوفان بے تمیزی تسکین پذیر ہوا تو مقیم نے آرام سے قندہار کی راہ لی۔ یہ بات غور کے لایق ہے کہ خسرو شاہ کی فوج سے الغ بیگ کا ملک بے کھٹکے ملگیا اور ۱۷ برس اپنے باپ دادا کے ملک پر ذاتی فوج سے جان ماری اور کچھہ ہوا سے

خدا گر بحکمت ببندد درے ؛ بکشاید بلطف وکرم دیگرے ؛؛

خراسان کا سفر

سنہ ۹۱۱ھ ماوراء النہر فتح کرنے کے بعد اوزبکوں کی ترکتاز خراسان پر ہونے لگی۔ بابر نے پانچ برس ادہر سمرقند میں بیٹھکر حسین بیقرا سے مدد مانگی تھی۔ اسکا یقین اب فرمانروائے خراسان کو ہونے لگا۔ مگر اب شیبانی خاں کا زیر کرنا ایسا آسان نہ تھا۔ سلطان حسین میرزا اگرچہ بہت بوڑھا ہوگیا تھا مگر شاہانہ عزم کے ساتھ ایکدفعہ اوزبکوں کے مقابلے میں تلوار لیکر کھڑا ہوگیا۔ اپنے بیٹوں کو صوبوں سے بلالیا۔ بابر سے بھی مدد کی درخواست کی۔ بابر کا اقتدار بھی افغانستان کی سرکش جرگوں پر اچھی طرح نہیں جما تھا۔ کہ خراسانی ایلچی پہنچا۔ اسکی موجودہ ذاتی مصلحتیں خراسان جانے کے خلاف تھیں اور اگر بابر میں قوت انتقام کشی ہوتی تو سمرقند کا واقعہ یاد دلا کر سلطان حسین میرزا کو جواب خشک بھیجدیتا۔ لیکن وہ یہ خوب سمجھتا تھا کہ جو خراسان پر اوزبکوں کی تنگ ہوئی تو کل کابل کی باری آجائیگی۔ بہتر ہے کہ اسوقت متفق ہوکر اوزبک مقابلہ کر لیئے جائیں۔ کابل کا بندوبست کرکے خراسان کا سفر کیا۔ راستے میں سے سلطان حسین میرزا کو اپنے آنے کی اطلاع کی ایلچی نے لوٹ کر خبر دی کہ ۱۱ ذی الحجہ سنہ ۹۱۱ھ کو سلطان حسین میرزا کا انتقال ہوا۔ بابر کچھہ تو خراسانی شہزادوں کے پاس قرابت کے سبب اور کچھہ اور مصالح کے لحاظ سے (جنکو وہ بیان نہیں

کرتا ہے) خراسان کو بڑھا چلا گیا۔ خراسانی شہزادوں کی متفقہ فوجیں دریائے مرغاب پر (جو آجکل کی
پولیٹکل دنیا میں بھی ایک ضروری چیز ہے) مورچہ جمائے پڑی تھیں۔ بابر جب قریب پہنچا تو شہزادے
استقبال کر کے لشکر میں لیگئے۔ تیموری نسل کا یہ عجیب اور آخری مجمع تھا۔ اگر بابر سے تجربہ کار کے ہاتھ
میں اسکی کمان ہوتی تو یہ لشکر وہ معرکے کر سکتا تھا جو صدیوں تک تاریخ کے صفحوں کو روشن رکھتے
افسوس ہے کہ ناز پروردہ خودمختار شہزادوں کی ماتحتی میں یہ لشکر بیکار ہو رہا تھا۔ اوزبکوں
کے چار سو پانسو آدمیوں کے مرغول مرغاب کے قریب تاخت تاراج کر رہے تھے۔ ان شہزادوں
سے اُن کا بندوبست بھی نہ ہو سکا۔ بابر کو ان بدعنوانیوں کی تاب کہاں تھی۔ فوراً اوزبکوں کی
گوشمالی کو تیار ہو گیا۔ مگر مہمانی نے اسکو بٹھا رکھا۔ زمانہ دیدہ شیبانی خاں خوب جانتا تھا کہ یہ
مجمع تین دن کی چاندنی ہے۔ اسوقت طرح دیکر سمرقند چلا گیا۔ موسم زمستان بھی آپہنچا۔ عشرت پرست
شہزادوں کو جام ارغوانی اور ساقی پریچہرہ یاد آئے۔ قشلاق کے بہانہ یہ فوج آن واحد میں منتشر
ہوگئی۔ شہزادہ بدیع الزمان میرزا نے بابر سے ہرات چلنے کا اصرار کیا۔ معاملات کابل اسکو اپنی
طرف کھینچتے تھے۔ لیکن شوق ہرات بابر کو ادھر لیگیا۔ شہر ہرات کو اس زمانہ کی سی رونق دنیا کو
شاید کم نصیب ہوئی ہوگی۔ سلطان میرزا کی چہل سالہ پُر امن حکومت نے اور میر علی شیر کی
قدردانی نے کمال اور خوبی سے شہر ہرات کو بھر دیا تھا۔ ہر طرف کے باکمال وہاں جمع تھے
اور شہر ہرے بھرے باغ کیطرح شگفتہ ہو رہا تھا۔ بابر نے سیر کی خوب لطف اٹھائے۔ ایک
روز سلطان احمد میرزا کی بی بی بابر سے ملنے آئی۔ اسکی بیٹی معصومہ سلطان بیگم بھی انکے ساتھ
تھی سہ عشق آں خانماں خراب ہست ؛ کہ ترا آورد بخانہ ما ؛ بابر کی نظر جو اس ملایک فریب
صورت پر پڑی بیتاب ہو گیا۔ اور جائے حیرت ہے کہ اس حور وش لڑکی نے ایک نظر میں وہ
دل فتح کر لیا۔ جو اتنے بلاخیز معرکوں میں ثابت قدم رہا تھا۔ آخر بے چین ہو کر چچی کو پیام دیا اور یہ بات طے ہوگئی
کہ ماں بیٹی دونو کابل آئیں اور وہاں نکاح ہو جائے۔ معصومہ سلطان بیگم کابل آئی اور بابر نے
اُس سے نکاح کیا۔ ایک لڑکی بھی ہوئی مگر اسی مرض میں یہ بیگم داغ مفارقت دے گئی۔ بابر نے یادگار کیلئے
اس لڑکی کا نام معصومہ سلطان بیگم رکھا۔ عائشہ سلطان بیگم اسکی بڑی بہن تھی۔ مگر اُس سے مفارقت
کے بعد یہ نکاح ہوا۔

افغانستان کی برف سے پالا پڑا۔ شہزادے اگرچہ اصرار سے بابر کو ہرات لیگئے تھے۔ مگر عیش میں پڑ کر
اپنے محترم مہمانوں کو بھول گئے اور رسد کی دقت ہونے لگی۔ برف بھی کثرت سے پڑنی شروع ہوئی۔

افغانستان وخراسان کے کوہستان کے سر چند ہی روز میں اس نزلہ نے سفید کردئیے۔ بابر نے دیکھا
کہ یہہ سد سکندری اسکو نو مفتوح ملک اور وہاں کے جنگجو فرقوں سے جدا کئے دیتی ہیں۔ اسخیال
نے ہرات کی کیفیت بالکل بدمزہ کردی اور اوسکو ہرات چھوڑنا پڑا۔ جنگل کثرت برف سے
سفید چادر ہو رہا تھا۔ اکثر مقاموں پر برف گھوڑے کی ران کے برابر تھی۔ برف جب گرنی شروع ہوئی تھی
تو نہ بالکل رقیق ہوتی تھی۔ اور نہ پتھر کیطرح سخت۔ آدمی پاؤں رکھتے ہی بھیتر کو دھس جاتے تھے۔ بابر جتنا
آگے بڑھا برف کی مصیبت بڑھتی ہی گئی۔ ایک خبر ہوئی کہ راستے میں غلہ افراط سے ملگیا۔ اور بابر نے
اسکو بقیمت خریدلیا ورنہ بھوک اور برف دو دشمنوں سے مقابلہ مشکل ہوجاتا۔ لشکر امیر غیاث پہنچکر
مشورہ کیا کہ کس راستے سے چلنا چاہیئے۔ ایک راستہ گرم سیر قندھار ہوکر کابل جاتا ہے۔ اگرچہ
پھیر بہت ہے۔ مگر برف کی آفت سے نجات ملجاتی ہے۔ دوسرا راستہ سیدھا کابل آتا ہے۔ یہ قریب
ہے اور برف سے معمور بلکہ ویران۔ بابر کی رائے تھی کہ قندھار ہوکر چلیں۔ قاسم بیگ نے کہا
کہ وہ رستہ بہت چکر کا ہے ہمت باندہ کر سیدھے نکل چلیئے قاسم بیگ کی یہہ رائے گو تکلیف دہ
ثابت ہوئی لیکن دور اندیشی پر مبنی تھی۔ بابر اگر جلد کابل نہ پہنچتا تو محمد حسین کا باود دوسرا
رنگ پکڑ جاتا۔ اور سخت دشواری پیش آتی۔ بابر نے طوعاً کرہاً اس رائے کو مانا اور ایک رہبر کو
لیکر سیدھا کابل چلا۔ راستہ اور جنگل سب کو برف اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھی۔ رہبر کو راستہ
کیونکر معلوم ہوتا خود بھٹک گیا اور اسکے پیچھے اور بھی گمراہ ہوگئے۔ برف کیوجہ سے گھوڑوں
کے پاؤں زمین تک نہیں پہنچتے تھے اور قطع مسافت غیر ممکن ہوگیا۔ قاسم بیگ کو اپنی رائے
کی ذمہ داری یاد آئی۔ پیادہ پا ہوکر راہ صاف کرنے لگا۔ اسکے چودہ عزیز و قریب بھی شریک ہوگئے شاہ
بابر بھی گھوڑا چھوڑ کر ان میں جا ملا۔ یہ شاندار سولہ قلی راستہ صاف کرتے تھے اور تمام لشکر پیچھے پیچھے گرد ان کے
چلا آتا تھا۔ راستہ صاف کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ سولہ آدمی آگے پیچھے قطار باندہ کر استادہ ہوجاتے تھے
ان کی یوں کھڑی ہونے سے برف اتنی دب جاتی تھی کہ ایک گھوڑا کھڑا ہوسکے اسکو بہ امر خاص جگہ میں ایک
کوتل گھوڑا کھینچا جاتا۔ دس پندرہ قدم چلکر گھوڑے کو آگے چلنے کی طاقت نہیں رہتی تھی۔ اسکو ہٹا کر
دوسرا گھوڑا کھینچتے تھے۔ اسطرح یہہ سولہ جوانمرد اپنی قوت بازو اور اپنے گھوڑوں کی مدد سے صبح و شام
تک میل ڈیڑھ میل راستہ تیار کرکے لشکر کو بڑھاتے تھے۔ انکے سوا کسی نے خود کام کیا اور نہ گھوڑے سے
مدد دی۔ بابر کے تحمل کو دیکھئیے کہ یہاں کسی سے اسنے مدد کا تقاضا کیا اور نہ کابل پہنچکر اس بیوفائی اور
خیرہ چشمی کی کسی سے شکایت کی۔ ایک روز شام کو منزل ۂ امن کدہ میں ہوئی۔ سردی کی یہہ شدت

کہ الامان سب کو یہی یقین تھا کہ آج یہیں برف کے کفن اور قبر میں دفن ہو جائینگے۔ بابر نے دری کے پاس سینے کے برابر برف کھود کے اپنا نمدا بچھا لیا اور شاہی نمدا اب بھی برف کے سنگ مرمر کی تخت پر رکھتا۔ بعض ہواخواہان نے گذارش کی کہ اس غار کے اندر بیٹھ جائیے؟ لیکن بابر کی حمیت نے تقاضا نہ کیا کہ اپنے جان نثار سپاہیوں کو چھوڑ کر خود آرام سے جا سوئے وہیں بیٹھا رہا لوگ اس کی تلاش میں بیقرار تھے۔ غار کو جو روشنی سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بہت وسیع ہے اور سب آدمیوں کی گنجایش اسمیں ہو سکتی ہے۔ وہ لوگ وہیں سے جوش خوشی میں چلائے کہ یہاں جگہہ بہت ہے۔ بابر کا سر زانو پر جھکا ہوا تھا۔ یہ جانفزا اور دلربا مژدہ سنکر چونک پڑا۔ اگر یہ بابر نے نہ خود بیان کیا ہوتا تو ہم اسکو مبالغہ سمجھتے کہ اسوقت اسکی پشت اور سر پر چار انگشت برف جم رہی تھی۔ اس بلائے آسمانی کو جھاڑ کر غار میں چلا گیا اور اہل لشکر بھی وہیں چلے آئے اور سب نے ملکر اپنا اپنا کھانا نکالا۔ غالبا بابر کابل اور اکبر آباد کے دیوان خانوں میں الوان نعمت کھا کر کبھی اتنا مسرور نہوا ہوگا۔ جتنا اون روکھی سوکھی رنگ برنگ کی روٹیوں کو کھا کر ہوا۔ صبح ہوئی پھر وہی برف اور وہی قلیوں کی خدمت۔ اس سفر میں اکثر آدمیوں کے ہاتھ پاوں شل ہو گئے۔ کانوں کی یہ کیفیت ہو گئی جیسے کسی شاخ پژمردہ پر پتا لگا ہوتا ہے یہی کابل کی مشہور برف ہے جسکی ہیبت افغانی آجکل کی تاریخ کو بھی عبرتناک بنائی جاتی ہیں۔ بابر نے جس شاہانہ اولوالعزمی سے اس برف کی مہم کو سر کیا۔ غالبا اسکی نظیر بہت کم ملیگی۔ بہت کم بادشاہ ایسے گزرے ہونگے جنہوں نے اپنی بیکس سپاہ کیواسطے برف کھود کر رستہ بنایا ہوگا۔ اور سپاہیونکو مدد کی تکلیف نہ دی ہوگی۔ اس بلائے عظیم کو بصد دشواری طے کر کے بابر ہزارستان میں پہنچا۔ ہزارہ وحشی جرگوں نے حملہ کیا۔ مگر انکو سزا دیکر شاہی فوج آگے بڑھ آئی۔

کابل کا فساد

بابر جب خراسان کو گیا تھا۔ تو کابل میں خان میرزا۔ شاہ بیگم بابر کی سوتیلی نانی مہر نگار خانم اسکی خالہ اور محمد حسین میرزا اور سلطان جنید برلاس موجود تھے۔ محمد حسین میرزا کی بابر کی ایک خالہ سے شادی ہوئی تھی۔ اور سلطان جنید برلاس بھی ننیال کیطرف سے قرابت مند تھا۔ میدان خالی پا کر ان دو نوکھلاڑیوں نے ایک نیا سوانگ بھرا۔ خان میرزا کو کابل کا بادشاہ بنایا اور اپنے رشتہ کے پیوند والی اکثر بیگمات کو سازش میں شریک کر لیا۔ اب دیکھکر مغل بھی انکے مددگار ہو گئے۔ عالم الناس کو اپنا

طرفدار بنا لینے کی لیے۔ یہ مشہور کر دیا کہ بادشاہ نے خراسانی شہزادوں کو قید کر کے جیلخانہ بھیجدیا۔ یہ بھی ویسی ہی ہوئی جیسے محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نادرشاہ کو قتل کر ڈالا تھا۔ اور دلی کے چند بڑھ خانوں میں شیطان اس راز کو فاش کر گیا تھا۔ امرائے بابری کو ارک کابل میں محصور ہونا پڑا یہی اب وقت ہے جب بابر ہزارستان آگیا ہے۔ اگر قاسم بیگ سیدھے راستے نہ نکال لایا ہوتا تو یہ فساد شاید زیادہ زور پکڑ جاتا۔ بابر کو ہزارستان میں یہ خبر ملی امرائے محصور کے پاس فوراً ایک آدمی دوڑا آیا کہ ہم آگئے فلاں روز کوہ منارہ پر آکر ہم آگ روشن کرینگے تم بھی اسکے جواب میں آگ جلانا کہ ہم سمجھیں کہ تم ہوشیار ہو اسکے بعد دونوں طرف سے حملہ کر کے دشمنوں کو سمجھ لینگے۔ اس آدمی کو بھیجکر ہزارستان سے یلغار کر کے بابر کابل آپہنچا۔ باغیوں سے مقابلہ ہوا۔ مگر بابر نے دو تین ہی حملوں میں انکو منہزم کیا۔ فتح کے بعد بابر ارک میں آیا یہاں محمد حسین میرزا اسکے خالو گرفتار کر کے لائے گئے بیگدل بابر حسب سابق تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا اور پاس بیٹھنے کی اجازت دی۔ اسکے بیٹھنے کی کچھ شکایت بھی نہیں کی بدلے یا سزا کا کیا ذکر ہے۔ بیگمات نہایت نادم تھیں۔ انسے بھی حسب دستور باادب ملا اور تسلی و دلجوئی سے ان کی خاطر جمع کرا دیا۔ خان میرزا اس معرکے سے نکل بھاگا تھا۔ شاہی سوار اسکو بھی پکڑ لائے۔ بابر دیوان خانہ میں بیٹھا تھا کہ خان میرزا پیش ہوا۔ اسکو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا آؤ گلے مل لیں۔ وہ بیچارہ یہ مدارات دیکھکر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اور مشکل سے بابر کے پاس پہنچا۔ گلے لگا کر بادشاہ نے اپنے پاس بٹھایا اور خانساماں کو حکم دیا کہ شربت جلد لائے۔ جب شربت آیا تو خان میرزا کی اطمینان کیواسطے پہلے خود تھوڑا سا پیا اسکے بعد اسکو پلایا۔ اسکے بعد بھی بابر ان باغیوں کے درپے آزار نہیں ہوا اور بتدریج وہ ادہر ادہر چلے گئے۔

فتح قندہار سنہ ۹۱۳ھ

گذشتہ موقع پر شیبانی خان میدان چھوڑ کر سمرقند چلا گیا تھا اور اسکے جاتے ہی خراسانی متفقہ فوج خواب پریشان ہو گئی تھی۔ موقع پاکر پھر اسنے خراسان پر حملہ کیا شہزادے خدا جانے کس گوشے میں بدہوش پڑے سے تھے کہ شیبانی دارالسلطنت ہرات پر قابض ہو گیا اور ایک لڑائی نہیں ہوئی۔ سلطان حسین میرزا کے عہد میں جو راحت و آسایش رعایا کو نصیب ہوئی تھی افسوس اجفا کار اوزبکوں کے ایک ہی حملہ نے کالعدم کر دی شہر ہرات خوب لٹا اور

وہاں کے باکمال دل کھولکر تنگ کئے گئے۔ فتح خراسان کے بعد اوزبکوں کی دہمکی قندہار پر تھی
قندہار اسوقت خراسان کا ایک صوبہ تھا۔ وہاں کے گورنر نے مضطرب ہوکر بابر کو لکھا کہ قلعہ
قندہار حاضر ہے آکر قبضہ کر لیجئے۔ بابر یہ خیال کرکے کہ قندہار لیکر اوزبک کابل پر حملہ کرینگے قندہار
کو روانہ ہوا جب قندہار کے قریب پہنچا تو امرا اُسکے بلانے سے پریشان ہو چکے تھے۔ اُنسے لڑائی
ہوئی اور لڑائی کے بعد قندہار بابر کا تھا۔ مال غنیمت کثرت سے ہاتھ لگا جس خوف نے خراسانی
تیالیوں کی قدم متزلزل کردی تھی اُسنے بابر کو بھی وہاں نہ رہنے دیا۔ کہن سال مشیروں کی صلاح سے
ناصر میرزا کو قندہار دیکر خود پلٹ آیا۔ ہفتہ بھر بھی ناصر میرزا نے قندہار پر حکومت نہیں کی تھی کہ
شیبانی خاں نے قندہار پر دھاوا کیا اور اسکو غزنی جاتے ہی قندہار نکلجانے کی خبر سنکر بابر کو خود اپنے واسطے
دارالامن کی تلاش ہوئی خراسان اور ماوراالنہر سے نسل تیمور بالکل بیدخل ہو چکی تھی اور پردۂ
زمین پر صرف بابر اس دودمان کی یادگار رہ گیا تھا۔ بابر اوزبکوں کے مقابلہ میں پہلے ہی گیا مگر ناکام ہی
رہا تھا۔ اب تو اوزبکوں کی قوت نصف النہار ترقی پر تھی۔ ایک لحہ کیواسطے اُسنے اوزبکوں کیوجہ سے
جنگ آزمائی کا خیال نہیں کیا۔ اور جلسہ کنگاش جمع کرکے اس اہم مسئلہ پر بحث کی۔ اہل شوریٰ
میں دو فریق ہوگئے ایک فریق کی رائے تھی کہ بدخشان چلنا مناسب ہی۔ بدخشان کابل کی نسبت
ہر چند قندہار سے زیادہ دور ہی۔ اور کوہستان کا قدرتی حصار بھی اُسکے گرد کھنچا ہوا ہے لیکن ایسا دور بھی
تھا کہ شیبانی خاں کی رسائی سے باہر ہوتا۔ صوبہ بدخشان اتنا زرخیز نہیں کہ وہاں کی آمدنی سے
بابر اپنی قوت بڑھا سکتا۔ لعل جنکی بدولت بدخشان اسقدر مشہور ہے۔ لب دلدار اور خون جگر کی
تشبیہ واستعارہ میں زندہ دل شاعر بالکل صرف کر گئے کیونکہ اب اُنکا بھی پتہ نہیں دوسرے فریق نے بدخشان کو
پسند کیا۔ اولوالعزم بادشاہ بھی اسمیں شریک تھا۔ اسی رائے کو غلبہ رہا خراسان اور ماوراالنہر
میں اوزبک شاہان تیموریہ کو اگرچہ شہ مات کر چکے تھے مگر ایران میں ایک اور زبردست حریف پیدا
ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے اپنی بلند ہمتی سے ایران میں سلطنت صفویہ
کا بنیادی پتھر نصب کیا اور ذوالفقار حیدری کی برش کا لوہا تمام ایران مان گیا۔ اوزبکوں کی مہم
سے فارغ ہوکر اودہر متوجہ ہوئے اور سرحد عراق پر جابجا نامی دغر قزیزی شروع کی۔ سرحد میں
دونوں جرار لشکروں کا مقابلہ ہوا اور اوزبک زک کھا کر بھاگے اور قزلباش [illegible] شیبانی
اسی معرکہ میں مارا گیا۔ اسی فتح نمایاں کے صلے میں زمانے نے خراسان شاہ اسمٰعیل
کے پیش کیا۔

سمرقند و بخارا تیسری مرتبہ بابر فتح کرتا ہے

سمرقند میں بابر کی بہن اوزبکوں کے پنجہ میں پھنس گئی تھی۔ اور شیبانی خاں نے اُس سے نکاح کر لیا تھا۔ مرو فتح کرنے کے بعد شاہ صفوی نژاد نے اُس سے ویسا ہی برتاؤ کیا جو ایک جوان مرد بادشاہ کو زیبا ہے۔ باعزاز اوسکو بھائی کے پاس کابل بھیجدیا۔ بابر نے شیبانی خاں کے قتل کا ماجرا جو سنا سمرقند و فرغانہ پھر یاد آیا۔ شاہ اسمعیل کے پاس ایلچی اور ہدیئے بھیجکر اتحاد کی سلسلہ جنبانی کی۔ اُسطرف سے بھی یہ پیمان ہو گیا کہ یہ ملک جسقدر فتح کر لو وہ تمہارا ہے۔ بابر غزنی سے فوج فراہم کرکے براہ بدخشان ترکستان پہنچا۔ بوڑھا شیبانی خاں اگرچہ مرگیا تھا۔ مگر جنگجو اوزبک ابھی باقی تھے خوب لڑائیاں ہوئیں لیکن بخارا و سمرقند بابر نے فتح کر لیا۔ بخارا میں جو سنیوں کا گہوارا مرکز ہے شاہ صفوی کی رضاجوئی کیواسطے دوازدہ امام کا خطبہ پڑہا گیا۔ اس مرتبہ آٹھ مہینے ترکستان پر حکومت بابری رہی۔ بفصل بہار میں پھر اوزبک جنگ آزما ہوئے۔ بابر کو شکست ہوئی اور ناکامی نے ہمیشہ کو غریب الوطن کر دیا۔ اس مہم سے واپس ہوکر افغانستان کی حکومت کو با استحکام دیتا رہا۔ سرکش جرگوں کو مطیع کرنے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ جو جرگہ سرتابی کرتا تھا فوراً بادشاہی فوج اُنکے سر پر ہوتی تھی انکو منتشر کرکے مقتول افغانوں کے سروں کا منارہ بنا دیا جاتا تھا اور مویشی اور بکریاں ضبط کر لی جاتی تھیں۔ افغانستان میں مستقل ہوکر بابر نے پادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اولاد تیموریہ میں یہ نام پہلی دفعہ انتخاب ہوا۔ تیمور امیر اور اوسکی اولاد میرزا (مخفف امیرزا) کے لقب سے مشہور ہے۔

ہندوستان کو فتح کیا

سنہ ۹۳۲ھ تک بابر انہیں خفیف مہموں میں مصروف رہا۔ اسی زمانہ میں چار حملے اسنے ہندوستان پر کیئے۔ لیکن چاروں مرتبہ اُسکی یورش پنجاب کے ملک پر محدود رہی ان حملوں سے غالباً اُسکا یہ مقصود تھا کہ سرحدی فرقوں کو مطیع و مانوس کرے۔ اگر ہندوستان میں ناکامی ہوتی تو افغانستان سے اسکو پناہ ملجاتی۔ امیر تیمور نے ہندوستان فتح کرکے پنجاب کو اپنی وسیع سلطنت کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ اُسکی وفات کے بعد یہ ملک اُسکی اولاد کے قبضے میں رہا جب وہ باہمی

نزاعوں میں پھنسکر ضعیف ہوگئے تو پنجاب کے حاکم خودسر بن بیٹھے۔ جب سلطنت لودیہ قائم
ہوئی تو خطبہ پڑھکر یہ حاکم اس سلطنت کے برائے نام مطیع ہوگئے۔ سلطان سکندر نے انکو معزول
کرکے پنجاب کو اپنے ملک میں شامل کرلیا۔ بابر نے یہہ کہکر کہ یہ ملک ہمارا ہی ہے اپنے لشکر کو کبھی
لوٹ مار کی اجازت نہیں دی۔ اور پنجابیوں سے ہمیشہ شاہانہ برتاؤ رکھا۔ جو جمع انپر تشخیص کردی
گئی تھی۔ بس وہی انتظام کے ساتھ سال بسال وصول کرلیجاتی تھی۔

حملہ بابری کیوقت ہندوستان کی پولٹیکل حالت

آخر بابر نے ان صوبوں کی آمدنی اور افغانستان کی آبادی سے اپنی فوج مرتب کرکے سنہ ۹۳۲ھ
میں براہ خیبر ہندوستان پر پانچواں اور آخری حملہ کیا۔ دریائے اٹک کو عبور کرتے وقت جب بخشی
فوج نے جایزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اچھے برے ۱۲۰۰۰ آدمی لشکر میں تھے۔ رسد کی مصلحت سے
بابر دامن کوہ میں سیالکوٹ کیطرف بڑھا۔ اور ۱۴ ربیع الاول کو سیالکوٹ پر پہنچا۔ ہندوستان
کی پولٹیکل حالت گویا اسوقت متقاضی تھی کہ کوئی بیرونی حملہ آور کوکامل فرمانروایان کی حکومت
سے نجات بخشے۔ قوی وضعیف سات حکومتیں حملہ بابری کے وقت ہندوستان میں قائم
تھیں۔ اول سلطنت لودیہ تھی۔ پنجاب سے بہار تک اس خاندان کی فرمانروائی تھی۔ اگرچہ
ہمیشہ اس ملک کے بادشاہوں کا دارالسلطنت دلی رہی تھی۔ مگر سلطان سکندر نے گوالیار کی مصلحت
سے آگرہ کو صدر قرار دیا تھا۔ سلطان ابراہیم اس زمانہ میں تخت پر تھا۔ آٹھویں صدی ہجری کے
خاتمہ پر سلطان فیروز شاہ تغلق کے بعد سلطنت دہلی کو خود سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا اور دور
دراز صوبوں کو کون سنبھالتا۔ گجرات اور مالوہ کے گورنر خودسر ہوگئے اس سے چند برس پیشتر دکن میں دولت بہمنیہ
قائم ہوچکی تھی۔ بابر نے جب یورش کی تو سلطنت گجرات ۱۷۵ برس کی ہوکر بستر مرگ پر زندگی کے دن پورے کر
رہی تھی۔ مگر کمبخت امیروں نے اسکو دم نکلنے سے پہلے ہی حصے تقسیم کرنے شروع کردئے تھے۔ جنوب مشرق
مالوہ بھی جسکا دارالصدر منڈو (ریاست اندور) تھا زوال کے کنارے ہوگئی تھی اور رانا سانگا کی دلیرانہ یورش
نے خاتمہ بہت قریب کردیا تھا۔ سلطنت بہمنیہ جسکا کاروبار امرا کے ہاتھوں میں تھا تنگ آکر [illegible]
بنگالہ میں بھی ایک اسلامی سلطنت دلی کی ہم عمر تھی یورش بابری کیوقت بھی اسمیں کسیقدر دم خم باقی
تھا۔ ہندو راجاؤں میں ذکر کے قابل صرف دو راجہ ہیں۔ ایک رانا سانگا چتوڑ کا راجہ دوسرا راجہ بیجا نگر۔ بابر
جنکے مقابلے کا مدعی بننے والا تھا۔ دو سلطان ابراہیم اور رانا سانگا ہیں۔ سلطان ابراہیم لودی

اسی خصلت کا پادشاہ تھا جیسے ہر خاندان کی مشائی والی فرمانروا ہوتے ہیں۔ سلطنت لودیہ پٹھان امیروں کی مدد سے قایم ہوئی تھی۔ سلطان بہلول اور سلطان سکندر ان امیروں کے ساتھ خلوت و جلوت میں برادرانہ پیش آتے تھے دربار کے مراسم و آداب شاہی کی پابندی سے بھی سادہ دل افغانوں کو کچھہ مطلب نہ تھا۔ دربار میں اپنے پادشاہ کے زانو بزانو بیٹھتے تھے۔ سلطان ابراہیم لودی نے تخت پر قدم رکھکر پہلا کام یہ کیا کہ اگلی مدارات بالکل موقوف کردی۔ بیباک افغان بگڑ گئے اور جو جہاں تھا وہیں خودسر بن بیٹھا۔ سلطان ابراہیم کا بہت سا عہد سلطنت ان ارکین سلطنت کی تباہ کرنے میں گزرا اگرچہ امرا پر وہ غالب آگیا مگر ان نزاعوں نے سلطنت کی بنیاد ہلا دی۔ سلطان ابراہیم بخیل بھی بہت تھا اس سبب سے تمام ملازم اس سے بیزار تھے غازیخاں اور اوسکا دیرینہ سال باپ دولتخاں دولت ابراہیمی کے دو نیم مختار سردار تھے۔ بابر کی غیبت میں اُسکے پنجابی صوبوں میں اونہوں نے بہت فتور مچایا تھا۔ سیالکوٹ میں پہنچکر بابر کو خبر پہنچی کہ غازیخاں اور دولتخاں دریائے راوی کے مغربی کنارے پر لشکر لیئے پڑے ہیں۔ بابر انکی گوشمالی کیواسطے انکیطرف بڑھا۔ ہنوز انکے قریب ہی پہنچا تھا کہ وہ منتشر ہوکر میدان چھوڑ گئے۔ اُن سرداروں کا مسکن قلعہ ملوٹ میں تھا۔ یہ قلعہ ستلج اور بیاس کے مابین شمال کے رخ کوہستان میں واقع تھا۔ بابر نے اس قلعہ کو آگھیرا۔ بوڑھا دولتخاں تو قلعہ میں تھا۔ لیکن غازیخاں کسی اور طرف کو نکل گیا تھا۔ بوڑھے سردار نے جوان بخت بادشاہ سے عہد و پیمان کرکے قلعہ کو خالی کر دیا۔ قلعہ میں دولت ملی اور یہ روپیہ اس آڑے وقت میں بابر کے بہت کام آیا۔ مصنف تاریخ فرشتہ نے لکھا ہے کہ غازیخاں کا کتابخانہ بھی ہاتھ لگا جسمیں نفیس کتابیں بکثرت تھیں۔ پادشاہ بابر کا بیان اسکی تردید کرتا ہے۔ اُسنے بیان کیا ہے کہ اس کتابخانہ کی شہرت تو بہت تھی مگر عمدہ کتابیں کم نکلیں ملایانہ کتابیں بہت جمع کر رکھی تھیں۔ غازیخاں کا پٹھان ہونا بھی اسکی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ یہ لاتی لغا کے سوا بہت کم علوم و فنون کی قدر کرتے ہیں۔ اس عارضی مہم سے فارغ ہوکر بابر نے پادشاہ دلی کیطرف رخ کیا۔ اثنائے راہ میں اکثر دغاباز لودی امیروں کے خط ملے۔ جنہوں نے جلد یورش کرنیکی ترغیب دی تھی۔ انبالہ کے قریب جاسوسوں نے خبر دی کہ حمیدخاں حاکم حصار اپنا لشکر لیکر حصار سے پندرہ کوس بڑھ کر مقابلہ کو آیا ہوا ہے۔ بابر نے نوجوان شہزادہ ہمایوں کو حملہ کا حکم دیا تھوڑی سی لڑائی کے بعد حمیدخاں کے قدم اکھڑ گئے اور میدان ہمایون کے ہاتھ رہا۔ ہمایونکی یہ اول مہم تھی۔ باپ نے اس فیروزی کے صلے میں حصار فیروزہ کا ملک ہونہار بیٹے کو بخشدیا۔

سلطان ابراہیم سے لڑائی

سلطان ابراہیم تو دلی سے مدت کا نکل آیا تھا۔ مگر شاید عالم خاں اور حمید خاں کا انجام دیکھنے کو وہیں ٹھٹک رہا۔ یہ دیکھکر کہ راستے کے ان کانٹوں کو ہٹا کر بابر بے کھٹکے چلا آرہا ہے اُسنے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا۔ بابر نے اس سے پہلے آکر پانی پت کا عمدہ موقع قابو کر لیا۔ فوج کا پڑاؤ اسطرح تھا کہ دست راست کو شہر پانی پت کی پناہ تھی۔ سامنا ارابوں سے رکا ہوا تھا۔ ارابہ ایک قسم کی گاڑی ہوتی تھی۔ سات آٹھ سو ارابوں کو کچے چمڑے کی تسموں اور زنجیروں سے جکڑ دیتے تھے۔ اس طور پر ایک چھوٹا سا حصار بنجاتا تھا۔ اس حصار کی پناہ میں بندوقچی باڑ مارتے تھے۔ ترکی فوج سے یہ ترکیب اخذ کیگئی تھی۔ فوج کی بائیں طرف کو خندق کھودی گئی چھ کوس کے فاصلے پر سامنے سلطان دہلی کا لشکر تھا۔ دہلی کے لشکر میں تخمیناً ایک لاکھ آدمی اور ہزار ہاتھی تھے۔ ایک ہفتے تک دونو فوجیں مقابل پڑی رہیں۔ ۱۰ رجب کو علی الصباح جاسوس خبر لائے کہ غنیم حملہ کیا چاہتا ہے۔ شاہ بابر یہ سنتے ہی اپنی مسلح فوج آگے بڑھا لایا اور یمین و یسار اور قلب درست کرکے میدان میں آجما۔ ہندوستانی لشکر نے اپنے ضابطے کے مطابق تیزی سے حملہ کیا۔ جیش بابری کی نظم و نسق کو دور سے دیکھا کہ دنگ رہ گئے اور انکے قدم وہیں سے مندے پڑگئے۔ قریب آنے پر شاہ بابر نے حکم دیا کہ فوج کا ایک حصہ غنیم کی دائیں بائیں سے نکلکر اُسکی پشت پر تیر برسائے۔ باقی فوج کو بتدریج آگے بڑھایا۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہوا تھا کہ لڑائی زور سے شروع ہوگئی اور دونوں طرف کے بہادروں نے مردانگی کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ دوپہر کو سلطان لودی مارا گیا۔ اور پٹھانوں کے قدم میدان پایۂ تخت ہندوستان سے اکھڑ گئے اور فتح وظفر نے شاہ فرغانہ کو دہلی کی مبارکباد دی۔ پانی پت کی ان تین لڑائیوں میں آخر یہ پہلی لڑائی ہے جنکی فتح و شکست نے سلطنت ہندوستان کا فیصلہ کیا ہے۔ دشمن کے ۱۶ ہزار آدمی کام آئے۔ ۲ ہزار صرف اپنے آقا سلطان ابراہیم کے قدموں پر کٹے پڑے تھے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ بہادر پٹھانوں نے کس خوبی سے حق نمک ادا کیا۔ شاہ بابر کے مقتول سپاہیوں کی تعداد نہیں معلوم ہوئی۔ مگر اُن کی ترتیب و تربیت نے کثرت سے آدمی تلف نہو نے دیئے ہونگے۔ فتحیاب ہوکر بابر سلطان دہلی کے خیمہ گاہ کو گیا۔ مقام عبرت ہے کہ جن عالیشان خیموں میں چند ہی

کھتے تھے پہلے ہندوستان کا بادشاہ اور ایک لاکھ فوج کا سپہ سالار متمکن تھا۔ ان میں ایک
ہو کا عالم تھا اور وحشت و مایوسی کا دلگیر سماں بندھ رہا تھا۔ نہ زرق برق نقیب تھے اور نہ
طمطراق کے چوبدار۔ حسرت و بیکسی البتہ دلگداز صدا سے ابراہیم! ابراہیم! پکار رہی تھی۔ نیرنگی
عالم کا یہ بھی عجیب تماشا ہے کہ ایسی پرحسرت کیفیت کو دیکھکر فاتح کا دل جوش مسرت اور
انبساط سے بیتاب ہو گیا ہوگا۔ بادشاہ وہیں ماندہ سپاہ اور خستہ گھوڑوں کی خاطر سے ٹھیر گیا اور ہمایوں
اور خواجہ کلاں کو آگرہ اور کچھ امیروں کو دلی روانہ کیا کہ قلعوں پر قبضہ کرکے خزانوں پر متصرف ہو جائیں
چند روز آرام لیکر خود بھی باہستگی دہلی کو آیا۔ شیخ نظام الدین اولیا اور قطب صاحب کی مقدس مزاروں پر
فاتحہ پڑھکر اون اولوالعزم بادشاہوں کے مقبروں اور یادگاروں کو دیکھا جو اس سے پہلے اس جہان بےثبات
میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے۔ اور زمانے نے اونکو مٹا کر قبروں میں آرام سے سلا دیا تھا۔ ؎

من از انم سود کی خفتگان خاک دانستم ٭ کہ غیر از خشت بہر خواب راحت نیست بالینے

۲۲ رجب کو شاہ بابر آگرہ آیا۔ سلطان ابراہیم کی شکستہ دل ماں جسکی اقبالمندی کا زمانہ گذر چکا تھا بیکس بیوہ اور
اور بیچارہ یتیم کو لیکر دربار شاہی میں چلی آئی۔ اور موثر الفاظ میں کامیابی کی مبارکباد دی۔
شاہ بابر کے دل پر انکی مایوسی نے بہت اثر ڈالا۔ اسکے واسطے اسنے سات لاکھ روپیہ سالانہ کی پنشن
مقرر کی اور آگرہ سے کوس بھر کے فاصلے پر جمنا کے کنارے اونکے لیے مسکن تجویز کر دیا۔ سلطان ابراہیم کے
یتیم بچے کو اسنے اپنی تربیت میں رکھا اور مثل اپنے بچوں کے نازونعمت سے اسکی پرورش کی۔ ہندوستان
میں فاتحوں نے اپنے دشمنوں کے اقربا کے ساتھ ایسا فیاضانہ برتاؤ بابر سے پہلے شاید ہی کیا ہو۔ اگر
مہذب زمانہ میں بالضرور ایسے آئین دیکھے جاتے ہیں مگر ساڑھے تین صدی پہلے کے زمانہ میں ایسا
ہونا حیرت سے خالی نہیں۔ امراء لودی کو بھی اسنے اپنی فیاضی سے خدمت میں لیا۔ اکثر کی جاگیریں
اور خطاب بدستور رہنے دیے۔ فتح خاں شروانی۔ راؤ سروانی اور سلطان علاؤالدین بن سلطان
بہلول لودی اسکے عہد میں بھی معزز و معتمد رہے ہیں۔ آگرہ کا قلعہ خزانہ سے معمور تھا۔ ابراہیم لودی
اور اسکے پیشروں نے جو دولت سالہا سال میں فراہم کی تھی زندہ دل بادشاہ نے اسکا ملاحظہ
کیا۔ مال غنیمت میں ۲ ۱/۲ تولہ وزن وہ بیش بہا الماس بھی تھا جسکا نام سلطان علاؤالدین
خلجی کے عہد سے ہندوستان میں روشن ہو رہا تھا۔ یہ زر و جواہر دیکھکر بابر کے فیاض دل میں ایک
جوش پیدا ہوا۔ اور اپنے غریب اہل وطن اوسکو یاد آئے۔ ۲۹ رجب کو اسنے بخشش شروع کی۔
۷۰ لاکھ روپیہ الماس مذکور اور ایک سربند خزانہ کا کمرہ ہمایوں کو عنایت ہوا۔ کسی امیر کو ۸ لاکھ

اور کسی سردار کو لاکھ بخشدیا جتنے سپاہی تھے سب کو اون کی جانبازیوں کے صلے ملے۔ سوداگر اور طلبہ وغیرہ جو فوج کے ہمراہ تھے وہ بھی فیضیاب ہوئے مکہ معظمہ مدینہ منورہ سمرقند۔ خراسان کاشغر و عراق سبھی ملکوں کو تو سوغات بھیجی گئی۔ افغانستان کو فی کس ایک شاہ رخی روانہ کی محمد قاسم فرشتہ نے اس بذل و جود کا حال لکھا ہے کہ اس دریادلی سے ایک زمانہ پر حضرت کی قلندری ہویدا ہو گئی ہے۔ الله الله که عطا کرد که اندوخته بود در یک دم

بابر فرمانروائی دہلی پر فتح پا چکا تھا۔ مگر ابھی بہت سی دقتیں حل کرنی تھیں۔ سلطان ابراہیم کے عہد میں اراکین سلطنت بہت زور پکڑ چکے تھے۔ اور ان کی یہ حالت تھی کہ اپنے بادشاہ کے مغلوب ہوتے ہی ابدست و پا ہو جاتے پانی پت کے میدان سر کرکے جب شاہ بابر آگرہ آیا ہے تو ہندوستانیوں اور مغلوں میں سخت مغائرت تھی۔ رعایا ایک دور دور کھینچتی تھی افغانستانی سردار جو جہاں تھا وہیں سنبھل بیٹھا۔ سنبل میوات دھولپور۔ گوالیار اٹاوہ کالپی۔ قنوج ہر ایک جگہہ سرکش امیر لڑائی کو تیار تھا۔ بادشاہ جب آگرہ میں آیا تو اہل شہر گھر چھوڑ کر بھاگ گئے سپاہ کو رسد کی سخت مصیبت برداشت کرنی پڑی۔ بڑی بلا یہ تھی کہ اسوقت گرمی کی فصل تھی اور آگرہ کا تنور خوب گرما رہا تھا۔ سرد ملک کے مغلوں کو اس بلائے بے درمان سے اول ہی مرتبہ سابقہ پڑا۔ بہت سی گرمی کی تاب نہ لا سکے اور مرکر اس بلا سے نجات پا گئے۔ جو زندہ بچے انکی ہمتیں پست اور پژمردہ دل ہو گئیں۔ اور افسر و سپاہی نے ایک زبان ہو کر کابل لوٹنے کی فریاد کی۔ بابر نے تسلی و دلجوئی کرکے انکو روکا۔ اسپر بھی کچھہ چل ہی دیئے خواجہ کلان جو بابر کا یار اور معزز امیر تھا۔ کابل جاتے وقت دلی کی کسی مکان پر یہ شعر لکھہ گیا۔

اگر بخیر و سلامت گذر ز سند کنم ؛ سیاہ رو شوم گر ہوائے ہند کنم ؛ اسنے اپنا کہنا کر دکھایا اور پھر کبھی ہندوستان کی دھوپ میں اپنا چہرہ کالا نہیں کیا۔

اصلاح

بابر سے زندہ دل بادشاہ کی دلچسپی کا سامان ہندوستان میں کچھہ بھی نہ تھا۔ نہ دلفریب باغ تھے نہ دلربا چشمے تھے نہ علمی مدرسے تھے نہ ہوا دار مکان تھے۔ ہندوستان میں بابر کی بادشاہی کا قلیل زمانہ امن قائم کرتے ہی گذر گیا۔ اسپر بھی اوسنے اون نقایص کے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ دھولپور۔ آگرہ۔ گوالیار وغیرہ مقامات میں کثرت سے اوسنے باغ اور حمام اور باولیاں بنوائیں آگرہ میں امرائے شاہی نے بھی لب جمنا دلفزا اور پرفضا باغ لگائے۔ ہندوستان نے یہہ دلکش سماں

کہاں دیکھا تھا۔ اپنی حیرت ظاہر کرنے کو مغلیہ آبادی کا نام کابل رکھدیا۔ آگرہ دھولپور۔ گوالیار
کول (علیگڈھ) وغیرہ میں ہر روز ۱۴۹۱ سنگ تراش شاہی عمارتوں میں کام کرتے تھے۔ گوالیار
میں رحیم داد شاہی حاکم نے ایک مدرسہ بھی بنایا تھا۔ اگر امن قایم کرکے بابر کو اجل مہلت دیتی
تو جو کچھ اسنے علمی جلوے بخارا اور سمرقند میں دیکھے تھے ان کی ایک جھلک ہندوستان کو
بھی دکھادیتا۔ اسنے واقعات بابری میں ہندوستان کا یہ نقص بھی بتایا ہے کہ یہاں کوئی مدرسہ
نہیں ہے۔ ولایتی باغبانوں کو اسنے حکم دیا کہ آگرہ میں سرد ملک کے خربوزے اور انگور بوئیں۔
ہندوستان کے دور ہی میں جہاں پھول نظر پڑ جاتا تھا۔ شاہی باغوں میں اسکو لے آتا گوالیار
کے میدان سے گل سرخ آتشیں رنگ کا اور یہاں سے نیلوفر لاکر شاہی باغ میں لگوایا خواجہ کلان
کو رانا سانگا کی مہم سر کرکے جو خط اسنے لکھا ہے اسکے چند فقروں کا ترجمہ ہم لکھتے ہیں۔
ان فقروں کو سادے الفاظ میں بابر کی زندہ دلی کی ایک جھلک پائی جاتی ہے "ہندوستان
کے معاملات اب سرانجام ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں سے فارغ ہوکر اگر خدا راست لائے تو چلا آتا
ہوں۔ اس ملک کی لطافت کوئی کس دل سے بھول جائے۔ بالخصوص اب کہ میں تائب ہوگیا
ہوں۔ خربوزے اور انگور کے جائز حظ دل سے کیسے جاتے رہیں۔ ابھی ایک خربوزہ لوگ
اُدھر سے لائے تھے ملنے کا ٹکڑا جو کھایا تو عجیب تاثیر کی اور میں بے ساختہ رونے لگا۔"

بابر کو زہر دیا گیا

۹۳۳ھ میں اس نیک نہاد بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی گئی۔ سلطان ابراہیم کے نعمت خانہ
کے چند باورچی بادشاہ کیواسطے ہندوستانی کھانے تیار کیا کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم
کی ماں نے انکو رشوت وغیرہ اسباب پر آمادہ کرلیا کہ کھانے میں زہر ملا دیں۔ بادشاہ نے
داروغہ مطبخ کو سخت تاکید کردی تھی کہ ہندوستانی باورچیوں پر اعتماد نہ کیا جائے جسوقت
دیگ تیار ہو اسکے پہلے کھانا باورچیوں کو چکھایا جائے۔ اس ضابطہ کے سبب دیگ میں
تو زہر ڈال نہ سکے۔ لیکن کھانا نکالنے کیوقت کمبخت داروغہ غافل ہوگیا اور نمکحرام باورچی
نے قاب کی تہ میں زہر چھڑک کر پھاڑ دیا پہلے تو بادشاہ اور کھانا تناول کرتا رہا۔ جب اس
زہردار گوشت کا لقمہ لیا بے اختیار دل اوٹنے لگا۔ ضبط نہوسکا اور وہاں سے اٹھکر استفراغ کیا جیسے
کبھی شراب پیکر بھی اسنے قے نہیں کی تھی۔ اسیلئے شک ہوا اور خود الحمد کہا باورچی حراست میں لئے

جاتیں۔ کتے پر جو آزمایش ہوئی تو صاف کھل گیا۔ یہ کہ کھانے میں زہر تھا باورچی پر جب تشدد ہوا تو اُسنے سب بھرم کھولدیا۔ چاشنی گیر باورچی اور دو عورتیں ماخوذ ہوئیں۔ دوسرے دن بابر نے سر دربار باضابطہ تحقیقات کی۔ چاشنی گیر کے پرزے پرزے کھروائے۔ باورچی کا پوست کھچوایا۔ اور ایک عورت ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈلوائی گئی اور دوسری کے گولی ماردیگئی۔ والدۂ سلطان ابراہیم کا تمام اثاث البیت لٹوادیا اور خود بی بی صاحبہ کو قیدخانہ کی ہوا کھلائی۔ سلطان ابراہیم کے بیٹے کو صرف یہ سزا ملی کہ کامران کے پاس کابل بھیجدیا گیا۔ انیسویں صدی کے آئین للنصاف کی رو سے ان میں سے بعض سزائیں وحشیانہ معلوم ہوتی ہیں اور حقیقۃً وحشیانہ ہیں مگر بابر کی نسبت رائے کرتے وقت ہمکو یہ فروگذاشت نکرنا چاہیئے۔ کہ اُسکا زمانہ آج سے ساڑھے تین سو برس پیچھے تھا۔ اس زمانہ کے دستور کے مقابلے میں یہ سزائیں سراسر انسانیت پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ اُسنے اگر سزائیں شدید دیں تو خاص مجرموں کو اور وہ بھی کامل تحقیق کرکے۔ دوسرا بادشاہ تو مجرم اور اونکے اہل و عیال سب ہی کو سزا اور شدید سزا کا ذائقہ چکھا کر اپنی ووقت انتقام کو تسکین دیتا۔

راناسانگا کی لڑائی

رفتہ رفتہ ہندی متمرد امرا رام ہوگئے۔ کچھ سختی سے کچھ نرمی سے راہ راست پر آگئے۔ ان امرا کیطرف سے ہنوز اطمینان کلی نہ ہوا تھا کہ راناسانگا کی سرگرم کوششوں کی خبریں گوش زد ہونے لگیں راناسانگا عجیب دل و دماغ کا راجپوت سردار تھا۔ مسلمانوں کی عملداری کے بعد سرزمین ہند نے ایسا شجاع اور بلند حوصلہ مدبر راجپوت پیدا نہیں کیا۔ مسلمانوں کی مذبذب حالت دیکھکر اُسنے یہ عزم کرلیا تھا کہ آریہ ورت کو ملیچھوں سے پھر پاک کردے۔ مالوہ کی خود مختار اسلامی حکومت کے بڑے حصے پر اُسنے اپنی تلوار کی زد سے قبضہ کرلیا تھا اور اب اجمیر میواڑ اور مالوہ اسکی حکومت تھی۔ چتوڑ اسکی راجدھانی تھی۔ اپنی خداداد قابلیت سے اُسنے جودھپور جیپور وغیرہ کے سات اعلے راجاؤں کو (جو کسیکے تابع ہوکر لڑنا ننگ خیال کرتے تھے) اپنا مددگار بنالیا اور وہ اسکے پھریرے کے نیچے لڑتے پھرتے تھے جتنی چھوٹی ہندو طاقتوں کو اُسنے متفق کرلیا تھا اُنکی تعداد سو تھی۔ رانا نے بابر کے پاس ایلچی بھیجا تھا کہ آپ سلطان ابراہیم پر دہلی کیطرف بڑھیں میں آگرہ پر پڑتا ہوں۔ اسطرح سلطان کو زیر کرینگے سر سے قدم ہاتھ پاؤں۔ آنکھ کوئی عضو نہ تھا جسپر بہادری کا تمغہ (زخم) موجود نہو۔ تلوار اور نیزہ سے

اپنی زخم بدن پر تھے۔ شاہ بابر پانی پت کے معرکے سے فارغ ہوکر مسلمان امراء کی زیر نگیں میں مشغول رہا۔ اور راناکیطرف اُسنے بالکل توجہ نہ کی۔ رانا سانگا نے جب دیکھا کہ اسکا شکار ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ خود بابر سے لڑنے کو تیار ہوا۔ بیانہ کے قلعہ (راج بھرت پور) میں شاہی فوج کا ایک دستہ خواجہ مہدی کی کمان میں تھا۔ خواجہ مہدی نے بادشاہ کو آگاہ کیا کہ رانا سانگا بہت سرگرمی دکھا رہا ہے سبکو چھوڑکر اسکی فکر کیجیے۔ یہ سنکر بابر نے بھی رانا سے لڑنے کا تہیہ کیا اور ہندوستانی امراء کو بھیجکر بالکل بابر ۹ جمادی الاول ۹۳۳ھ کو آگرہ کو روانہ ہوگیا۔ قاسم میر آخور کو بیلدار دیکر افسر کر کے آگے سے بھیجا کہ فوج کی پڑاو پر کوئیں کھدوا رکھے یہ بات ایکدم بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں ہے کہ دریائے سندھ سے ادہر بابر کی سپاہ میں سب ۱۲۰۰۰ آدمی آئے تھے۔ سلطان لودی کی لڑائی اور آگرہ کی سرگرمی میں انہیں بارہ ہزار میں سے کام بھی آچکے تھے رانا نے آگے بڑھ کر تاخت و تاراج شروع کردی اور شاہی دستہ کو بیانہ کا قلعہ چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔ ان لوگوں نے انکی فوج کی چستی اور بہادری کی بہت تعریف کی انہیں روزوں شاہی فوج کے قراول سے جسمیں ڈیڑھ ہزار آدمی تھے راجپوتوں سے مقابلہ ہوگیا۔ راجپوت بڑی بہادری سے لڑے اور برباد کر کے شاہی قراول کو بھگا دیا۔ اسی اثنا میں کابل سے ایک قافلہ آیا جسمیں بدبخت محمد شریف نجومی بھی تھا۔ سپاہیوں نے جو اُس سے زائچہ دیکھنے کی فرمایش کی تو اُسنے یہہ کہا کہ مریخ غرب میں ہے۔ اسطرف سے جو لڑیگا شکست ہوگی۔ ان جزئیات کے پے درپے ظہور پذیر ہونے سے شاہی فوج کے دل ہراساں ہوگئے اور سپاہی اور افسر سب کے ارادوں میں تزلزل پیدا ہوگیا۔ صرف بابر اور نظام الدین خلیفہ یہ دو شخص تھے جنکا عزم درست اور رائے مستقل تھی

بابر نے شراب سے توبہ کی

سپاہ کی بیدلی سے بابر کو بہت اندیشہ ہوا۔ اور فی الفور اسکے دفعیہ کی تجویز کی اور مے نوشی سے تائب ہوا اور جتنے آلات سرور نقرئی و طلائی تھے سب توڑکر خیرات کردیئے گئے۔ اور جو جام و صراحی درستی میں ذریعہ عیش و سرور تھے شکستہ ہوکر سرمایہ حسنات بنگئے۔ الناس علی دین ملوکہم بادشاہ کو تائب دیکھکر سینکڑوں نے اس ام الخبایث سے توبہ کرلی۔ بابا دوست پچھلے ہی کاروان میں غزنی کی نفیس شراب و خوشبو لادکر لایا تھا۔ بادشاہ دین پناہ نے حکمدیا کہ نمک ڈالکر سرکہ بنالیا جائے توبہ کر کے اپنے تمام ممالک میں مسلمانوں کے مال تجارت کا محصول معاف کردیا۔

بادشاہ کی اسپیچ

سپاہیوں کا جوش اُبھارنے کو اُسنے سب کو جمع کیا۔ اور یہ اسپیچ دی۔ ہندوانی امیرو! اور سپاہی جوانو!
"ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود ۔ آنکہ پایندہ و باقیست خدا خواہد بود" ۔ جو آدمی مجلس حیات
میں آکر بیٹھا ہے ایک روز اسکو پیمانہ اجل پینا ہوگا۔ اور جو اس منزل زندگی میں آیا ہے
ایک نہ ایکدن اسکو کوچ کرنا پڑیگا۔ پس بدنام جینے سے مرنا بہتر ہے "بنام نکو گر بمیرم رواست
مرا نام باید کہ تن مرگ راست" ۔ خداوند تعالے نے یہ لازوال سعادت ہمکو نصیب کی ہے۔ اگر
مرجائیں "شہید مریں"۔ اور اگر فتح پائیں "غازی بنیں"۔ آؤ سب ملکر قسم کھائیں اور بھاگنے کے خیال کو
دل سے نکالکر پھینکدیں۔ جبتک جسم میں جان ہے ہاتھ لڑائی سے نہ رکے۔ اس پُر اثر تقریر نے بہادروں
پر بہت اثر کیا اور سب قسم کھاکر جانبازی پر مستعد ہوگئے۔ پانی کی آرام کیوجہ سے فتح پور سیکری کا
میدان لڑائی کیواسطے پسند کیا گیا۔ بابر تو یہاں راناکے مقابلے میں خیمہ زن تھا۔ وہاں ہندوستانی امرا
نے میدان خالی پاکر خوب ہاتھ پاؤں نکالے۔ کول (علیگڈھ) سنبل، گوالیار، سب جگہ ایک
فتنہ برپا ہوگیا اور شاہی لشکر میں روزانہ کوئی نہ کوئی متوحش خبر ضرور آتی تھی۔ بادشاہ
جو سپاہ میدان جنگ میں لایا تھا وہ کل بیس ہزار تھی۔ ان بیس ہزار سپاہیوں میں اسکو
کارآزمودہ مغل اور ہندوستان کی نئی بھرتی کے سپاہی دونوں شامل تھے۔ ہندوستانی
امیروں کی شورش کا حال سنکر نو خیل اکثر کھسکنے لگے۔ جس حریف کے مقابلے کو یہ قلیل
لشکر آیا تھا۔ اسکی فوج کی ایک سرسری نظر مناسب مقام ہوگی۔ رانا کا جرار لشکر ذاتی اور
امدادی فوج پر شامل تھا۔ خود راناکی معرکہ دیدہ فوج اسی ہزار تھی۔ امدادی فوج ذیل کے
مطابق تھی صلاح الدین عدی سارنگ پور مالوہ کی فوج ۳۰۰۰۰ حسن خان حاکم میوات کی فوج ۱۲۰۰۰ محمود خاں
ولد سلطان سکندر لودی کی فوج ۱۰۰۰۰ راول اودی سنگھ راجہ ڈونگر کی فوج ۱۲۰۰۰ بہار مل راجہ
جے پور کی فوج ۴۰۰۰ میدنی رائے والی چندیری کی فوج ۱۲۰۰۰ نربت ہاڑا راجہ بوندی کی فوج ۷۰۰۰
اور راجوں مہاراجوں کی فوج ۳۰۰۰۰۔ فوج رانا ۸۰۰۰۰ کل فوج دو لاکھ بابر نے اپنی تخمینہ اور
ان راجوں اور سرداروں کی ملکی آمدنی کے حساب سے راناکی مجموعی فوجکا اندازہ دو لاکھ کیا
ہے ممکن ہے یہ تخمینہ غلط ہو۔ لیکن اگر نصف بھی صحیح ہے تو شاہی سپاہیوں کو اپنے چگنے آدمیوں
سے زور آزما ہونا تھا۔ رانا سانگا اگرچہ کابل اور عیاش شاہان ہند کو نیچا دکھا چکا تھا۔ اور اسواسطے

عجب نہیں کہ اسنے اپنے آپ کو کل ہندوستان کا مہاراجہ خیال کرلیا ہو۔ لیکن اب جو سپہ سالار
اس سے جنگ آزما تھا اسکی حالت ہند کے بادشاہوں سے کلیۃً متمائز تھی۔ اس نے قانون
حرب تاتاریوں اور ازبکوں کے اکھاڑے میں سیکھے تھے۔ لڑکپن اور جوانی میدان جنگ میں بسر
کر دی تھی اور اوسکی خارا اشگاف شمشیر کے جوہر ترکستان سے ہندوستان تک
عیاں ہوچکے تھے۔ ہندوستانی شاہوں پر اسکو قیاس کرنا بیجا تھا۔ بادشاہ بابر کی یہ اخیر
لڑائی ہے اسلیئے اسلحہ اور ترتیب افواج کو کسیقدر بسط سے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ ناظرین
باتمکین پر اس زمانے کے فنون جنگ کی کیفیت منکشف ہوجائے۔ بابر کی فوج تلوار
تیر کمان نیزہ اور کاردسے مسلح تھی۔ ترکوں کی تقلید پر بندوق اور توپ کا استعمال بھی شروع ہوگیا
تھا۔ بندوقچیوں کا ایک خاص گروہ تھا جو اونکی آڑ سے غنیم پر فیر مارتا تھا۔ توپ اگرچہ آجکل کی توپوں کے دیکھتے قابل مضحکہ تھی مگر تاہم کچھ بھی پتھر
کا گولا اسمیں پڑتا تھا۔ اور ایک میدان جنگ میں ایک توپ سے بیس پچیس گولے چل جاتے تھے۔ ایکدفعہ بادشاہی حکم پایتو ۱۶ آدمی تک کا گولہ
گیا تھا۔ ایک مرتبہ گنگا میں دو کشتیاں بھی توپ سے ڈبادی گئیں تھیں۔ استاد علی قلی اور مصطفٰے رومی
دو ترکی بہادر توپ خانہ پر افسر تھے۔ اوستاد علی قلی توپ ڈال بھی لیتا تھا۔ ۱۳ جمادی الآخر سنہ ۹۳۳ھ کو
علےالصباح معلوم ہوا کہ رانا حملہ کیا چاہتا ہے۔ بابر نے بھی اپنی فوج کو آگے بڑھالیا اور موضع خانوہ (راج
بھرت پور) کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ نظام الدین خلیفہ نے شاہی فوج کو توزہ چنگیز خاں کے
روسے مرتب کیا تھا۔ غول یعنی قلب میں خود بادشاہ تھا اسکے دست راست پر ایک دوسرا حصہ فوج کا
کا تھا اس حصہ پر چین تیمور سلطان سلیمان شاہ (جو بدخشاں کا پادشاہ ہوا) وغیرہ آٹھ امیر مامور
تھے اور دست چپ پر دوسرا حصہ تھا۔ امیر علاؤالدین ابن سلطان لودی اور شیخ زین
خوانی (دبیر بادشاہ) وغیرہ سات سردار معین تھے، یہ دونوں حصے غول کے بازو تھے غول کے دست
راست پر برنغار فوج کا بازوئے راست تھا۔ اسکی کمان شاہزادہ محمد ہمایوں قاسم حسین وغیرذالک ستارہ
امیروں کی سپرد تھی اور غول کے دست چپ پر جوبرنغار فوج کا بازوئے چپ تھا اس بازو پر
مہدی خواجہ محمد سلطان میرزا وغیرہ ۱۲ - افسر تھے۔ سلطان محمد بخشی کچھ سپاہیوں
کو لیئے بادشاہ کے قریب کھڑا تھا۔ یہ احکام شاہی سنتا تھا اور اپنے ماتحتوں کے
ذریعے سے فوج کے افسروں کو آگاہ کرتا تھا۔ جوبرنغار کے سمت میں تولقمہ فوج کا
ایک اور حصہ زدہ تھا۔ جسپر ملک قاسم اور رستم ترکمان وغیرہ چار افسر حاکم
تھے۔ یہ حصہ اس احتیاط سے تھا کہ جس حصے پر دشمن کا زور زیادہ ہو اسکی مدد کرے

تمام فوج پچاس کار آزمودہ افسروں کے چارج میں تھی۔ جب سب سپاہ مرتب ہوچکی، تو فرمان
شاہی صادر ہوا کہ کوئی افسر بدون اجازت اپنی جگہہ سے جنبش کرے اور نہ بے حکم لڑے۔ اگلے
دن کو لڑائی شروع ہوئی۔ ابتدائً ہندوؤں کا زور برنغار پر تھا۔ بادشاہ نے چین تیمور کو حکم دیا
کہ اُسکی مدد کرے۔ چین تیمور حملہ کر کے ہندوؤں کو انکے قلب تک ہٹا لیگیا۔ مصطفیٰ رومی نے
برنغار سے باڑ ماری شروع کی۔ عین معرکہ میں شاہی حکم برنغار کے ۳۲ افسروں کو پہنچا کہ مصطفیٰ
رومی کا ہاتھ بٹائیں۔ ہندو بتدریج بڑھتے جاتے تھے۔ چار برنغار کے اور تین جرنغار کے افسر یکے بعد
دیگرے انکی کمک کو بھیجے گئے۔ تولقمہ نے حسب فرمان ہندو فوج کی پشت پر حملہ کیا۔ سیلاب جنگ
پورے جوش پر تھا اور لڑائی بہت طول پکڑ گئی تھی کہ غول کے ایک حصے کو حکم ہوا کہ ارابوں سے
نکلکر بندوقچیوں کا سامنا بچا کر دائیں بائیں سے حملہ کریں۔ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے
ارابے علیحدہ کرا کے خود حملہ کیا۔ بادشاہ کو حملہ کرتے ہوئے دیکھکر اسلامی لشکر میں ایک تازہ
ولولہ پیدا ہوا۔ اور انتہائی جوش سے دشمن پر وار کرنے لگے۔ عصر کے بعد تک لڑائی پورے
جوش پر تھی۔ اور کسی فریق کے چہرہ پر غلبہ کی بشاشت نہیں پائی جاتی تھی۔ آخر آٹھ گھنٹہ
کی خونریزی کے بعد غروب کے قریب رانا کا خورشید اقبال زوال پذیر ہونے لگا۔ اپنی مغلوبیت
دیکھکر بہادر راجپوتوں نے پھر جی توڑ کر قسمت آزمائی کی۔ اور یہ ہنگامہ واقعی بہت خطرناک
تھا۔ تھوڑی دیر میں دلاوران مغل نے یہ مسرت خیز تماشا دیکھا کہ میدان سے راجپوتوں کے
قدم اُٹھ گئے۔ رانا خود بصد دشواری جان بچا کر میدان سے نکلگیا۔ اور اُسی سال فرط رنج
و غضب سے عدم کی راہ لی۔ حسن خان میواتی اور جے سنگھ، مانک چند چوہان اور اور نامی لاور
میدان جنگ میں ہاتھ پاؤں پٹک کر سرد ہوگئے۔ شیخ زین خوافی نے فتح بادشاہ اسلام تاریخ
کہی ہے۔ اور حسن اتفاق کہ کابل سے میر گیسو نے جو رباعی بھیجی اسکا مادہ تاریخ بھی یہی تھا۔ [۹۳۳ھ] شاہ
سخن سنج نے دونو تاریخ گوؤں کی تسلی کر دی کہ صرف دو تاریخ لے لیا۔ یہ فتح تاریخ ہندوستان
میں بہت نمایاں اور شاندار ہے۔ اسکی کامیابی پر خیال کرنا چاہیئے کہ سلطنت مغلیہ کی
بنیاد ہندوستان میں جمی۔ بابر کی فوج بہت کم تھی اور رانا کا لشکر کثیر اور آزمودہ کار تھا۔ فوجی
انتظام اور ضبط امراء کاروان کی کثرت اور خود اپنی ۲۴ برس کی مہارت جنگ سے بابر غالب آیا
اگر یہ اسباب نہ ہوتے تو رانا کی کامیابی میں بہت کم شبہ تھا۔ اس میدان کو جیت کر بادشاہ نے غازی کا
لقب اختیار کیا۔ محمد شریف بھی مبارکباد کو حاضر ہوا۔ اول تو بابر نے بہت ملامت کی لیکن پھر ایک لاکھ

روپیہ انعام دیکر اپنی عملداری سے باہر نکالدیا۔ راناسانگا سے میدان فتح کرکے بابر نے اسکے مددگار میدنی راؤ پر حملہ کیا اور چندیری چند روز کی محاصرے میں لیلی چندیری پر کامیاب ہوکر بیانہ پر یورش کی اور اسکو بھی ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔ امن قایم کرکے ملک کا دورہ کیا۔ اور گوالیار، گول دھولپور اٹاوہ وغیرہ کا ملاحظہ کیا۔ آگرہ سے کابل تک پیمایش کا حکمدیا۔ اور محکمہ پیمایش کو یہ ہدایت کی کہ ہر نو کوس پر ایک منارہ ۱۲ گز اونچا بنایا جائے اور ہر ایک منارہ پر ایک چار درہ ہو۔ ہر دس کوس پر ۶ گھوڑے ڈاک چوکی مقرر کیئے جائیں۔ اگر خالصہ شاہی میں ہوں تو سائیس کی تنخواہ اور گھوڑے کا دانہ چارہ خزانہ سے ملے۔ ورنہ جس امیر کی جاگیر میں ہوں اسکے ذمہ رہے۔ اسی سال شاہ غازی نے آگرہ میں باغ کا دربار کیا۔ تمام شاہی امرا اور سلطنت صفویہ اوزبک اور ہندو راجاؤں کو سفیر باریاب ہوئے سب نے نذریں پیش کیں۔ نذروں کی بعد خاصہ لایا گیا۔ خاصے سے فارغ ہوکر بادشاہ نے مست ہاتھی اور اونٹوں کی لڑائی مشاہدہ کی پہلوانوں کی کشتی ہوئی جسنے اپنے حریف کو پچھاڑا اسکو انعام ملا۔ ہندوستانی بازیگروں نے بھی خوب خوب تازہ کرتب دکھائے۔ تمام مستحق لوگوں کو خلعت عطا ہوئے۔

بنگالہ کا فساد

بنگالہ میں سلطنت لودی کی بقیہ اجزا نے وہاں کی حاکم سے ملکر ایک فساد برپا کیا اور چنار (ضلع میرزاپور کے) قلعہ پر دھاوے کی دھمکی دے رہے تھے۔ بادشاہ خود انکے استقبال کیواسطے لشکر لیکر گیا۔ اور انکو شکست پر شکست دیتا ہوا حاجی پور (بہار تک) چلا گیا۔ حاجی پور میں دشمن کی استقبال کی فکر میں تھا کہ بنگالہ کی مہیب برسات شروع ہوگئی۔ افغانی سردار بہت تنگ آگئے تھے۔ بارش کو انھوں نے رحمت سمجھا اور صلح کی تحریک کی بادشاہ کو برسات نے صلح پر مجبور کیا۔ اور صلح کرکے آگرہ واپس آیا۔ اثنائے راہ میں لشکر کنارے کنارے گنگا کے کوچ کرتا تھا اور بادشاہ خود سیر دریا سے لطف اٹھاتا کشتی میں آتا ہے۔ ایک روز دور سے کچھ درخت نظر آئے بادشاہ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ منیر ہے۔ بادشاہ کو شیخ یحیی منیری کے مزار کا شوق ہوا گھوڑے پر سوار ہوکر منیر گیا۔ اور فاتحہ پڑھکر ادھر ادھر سیر کرتا ہوا اردوئے شاہی سے آملا۔ حساب کیا گیا تو تیس کوس گھوڑے پر اس روز سوار ہوا تھا اور اس تیزی سے آیا کہ اکثر قریب انام گھوڑے تھک کر رہ گئے۔ بابر برسات کے اندیشے سے افغانی اجزا کو منتشر کرکے چلا آیا تھا۔ انکی قوت بالکلیہ زائل نہیں ہوئی تھی۔ یہی افغان ہیں جو ہمایوں بادشاہ پر مصیبت کی بادل بنکر برسے۔ ۱۵ شوال سنہ ۹۳

کو بادشاہ آگرہ میں واپس آیا۔ اکبرآباد میں زندہ دل بادشاہ کو دو باتوں سے بہت مسرت حاصل ہوئی۔ اور یہ ایسی مسرتیں تھیں جنکو وہ ہندوستان میں ترس گیا تھا۔ اول ملجی پالیزکار اور داروغہ باغ ہشت بہشت نے خربوزے اور انگور کے چند خوشے لاکر پیش کیئے خربوزوں کی فصل اگرچہ گذر چکی تھی مگر سلیقہ شعار پالیز کار نے کچھ پھل اپنے آقا کے واسطے لگا رکھے تھے۔ اپنے دور دراز وطن کی اس یادگار کو دیکھکر بابر بہت خوش ہوا اور واقعات بابری میں بادشاہ نے لکھا ہے کہ "از جہت خربوزہ و انگور شدن در ہندوستان فی الجملہ خورسندی شد"۔ دوسری مسرت یہہ تھی کہ بادشاہ کی عزیز بیوی ماہم بیگم شوہر سے ملنے کابل سے آئی تھی۔ مدت سے پنجاب وغیرہ کے صوبہ داروں کو پیشوائی اور دیگر جزئیات کے متعلق فرمان نافذ ہو چکے تھے۔ بادشاہ کے آگرے پہنچنے کے دوسرے روز وہ بھی مع الخیر وہاں آ پہنچی۔ یہ بیگم بادشاہ کو نہایت عزیز تھی۔ بابر کے دل کو بعض بدمزاج بیویوں کے اخلاق سے صدمہ پہنچا تھا۔ ماہم بیگم نے اپنی سلیقہ اور تمیز سے وہ سب صدمے بھلا دیئے تھے۔ ہمایوں اور ہنداول اسی بیگم کے بطن سے ہے۔ کابل سے جب روانہ ہونے لگے تو اپنے ہاتھ سے شاہانہ طرز پر ایک فرمان حاکم پنجاب کو لکھا کہ فلاں تاریخ سرحد پر ہماری خیر مقدم کیواسطے حاضر رہنا دلی میں پرانے قلعہ کے پاس ایک مدرسہ اور مسجد ہے جو ماہم کا مدرسہ مشہور ہے۔ مسٹر اہل نے لکھا ہے کہ مدرسہ اور مسجد ماہم بیگم بابر بادشاہ کی بیوی کی تعمیر کردہ ہے۔ شاہ جلال الدین اکبر کی انا کا نام بھی ماہم بیگم تھا یہ مدرسہ اور مسجد ہماری رائے میں اس ماہم کی بنائی ہوئی ہے نہ ماہم بیگم بابر بادشاہ کی بیوی کی۔ اس مدرسہ پر یہ تاریخ کندہ ہے۔ ست بدوراں جلال الدین محمد ؛ کہ باشد اکبر شاہان عادل ؛ چو ماہم بیگم عصمت پناہی ؛ بنا کرد ایں بنا بہر افاضل ؛ ولی شد ساعیٔ ایں بقعہ خیر ؛ شہاب الدین احمد خاں باذل ؛ زہی خیریت ایں بقعہ خیر ؛ کہ شد تاریخ او خیر منازل ؛ اس قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ اکبر بادشاہ کے عہد میں بنایا گیا جہانتک میری نظر تاریخ پر پڑی ہے معلوم نہیں ہوتا کہ ماہم بیگم اکبر کی دادی اسکے عہد میں زندہ تھی البتہ مریم مکانی اس کی ماں اسکے عہد میں حیات تھی۔ قطعہ کا تیسرا مصرعہ صاف کہہ رہا ہے کہ شہنشاہ عصر کی دادی کے متعلق یہ بیان نہیں ہے کیونکہ صرف عصمت پناہی یہ دو لفظ اتنی والا مرتبہ بیگم کی شان کی مناسب نہیں۔ بلکہ ایک معزز شریف زادی کی شایان ہیں۔ شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری جسکا اس تاریخ میں حوالہ ہے اکبر شاہ کی انا ماہم بیگم کا عزیز تھا

اسکے اہتمام سے بنا ہی ہماری مدعا پر قرینہ ہے ۔

بابر کی وفات

بیگمات کے آنے پر ڈیڑھ سو کہاروں کو مزدوری دیکر کابل بھیجا کہ وہاں سے میوہ لائیں جب
سنہ ۹۳۷ھ کو بادشاہ پر بیہوشی طاری ہوئی ۔ مرض روز بروز اشتداد پکڑتا گیا ۔ ہمکو نہیں معلوم
کہ کیا مرض بہانہ موت ہوا ۔ بہر حال معالجہ سے کچھ نفع نہیں ہوا ۔ مرض کی سختی آنیوالی اجل کی
پیشنگوئی کرنے لگی ۔ بادشاہ نے ہمایوں کو کاشمیر (ملک پنجاب) کے محاصرہ سے بلاکر ولیعہد
کیا ۔ پیر کے دن جمادی الاول کی پانچویں کو ہادم اللذات کی ساعت آ پہنچی ۔ اور شاہ ظہیر الدین
محمد بابر غازی جو فرغانہ میں پیدا ہوا ۔ اور مدتوں بدخشان کے کوہستان میں سرگردان رہا
تھا ۔ آگرے میں اس حیثیت سے عالم بالا کو گیا کہ دریائے آکسس سے لیکر دریائے گنگا کے نشیب
تک ملک اسکے زیر نگین تھا ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا ۔ مرتے دم اسنے وصیت
کی کہ اسکی لاش کابل بھیجی جائے اور اگر اوزبکوں کا اندیشہ ہوتا تو وہ بالضرور اپنے باپ کے
پہلو میں دفن ہونیکی وصیت کرتا ۔ ایسے اولوالعزم بادشاہ کی لاش کو بھی بالضرور ۵۰۰ میل طے
کرکے آرام لینا مناسب تھا ۔ اور بابر سے زندہ دل کی قبر کے واسطے بھی سبزہ زار کابل سزاوار
تھا ۔ وفات کے بعد فردوس مکانی اسکا لقب ہوا ۔ اور وہی بہشت روزی باد تاریخ وفات ہے
چند روز اسکی لاش آگرہ میں نور افشاں باغ میں (جو اب آرام باغ مشہور ہے) امانت رہی
وہاں سے لیجاکر کابل کے قدمگاہ رسول میں خاک میں ملائی ۔ اسکے پڑپوتے شاہجہان بادشاہ
نے اپنے نامور مورث کا احترام کیواسطے قبر پر نفیس سنگ مرمر کا مقبرہ بنوا دیا ۔ یہ ہیں نامور
بابر کی موت و زندگی کے مختصر احوال جو ہمنے اوپر بیان کردیئے ۔ لیکن ابھی کچھ اور کہنا اور بیان
کرنا باقی ہے ۔ اس تصویر میں بابر کے چند اندرونی صفات کی جھلک معلوم ہوتی ہے کچھ
صفات کی چمک اس بیان سے ہویدا ہوگی ۔

علم و تحقیق

بابر نے اونچاس برس کی عمر میں انتقال کیا ۱۲ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا اور تخت حکومت

ـــــــــــــــــــ

سلہ دیکھو تاریخ فرشتہ احوال شاہ اکبر اور آثار صنادید حال ہمایوں نامہ بیگم ؂

بابر نے ۴۸ برس کل زمانہ ہے جو ۴۸ برس راحت یا زحمت سے جسطرح بسر ہوئے آپنے دیکھ لیا۔ یہ ماجرا دلچسپی سے
خالی نہوگا کہ ۱۱ برس کی عمر سے ۴۸ برس کی عمر تک ایک جگہ متواتر اُسنے دو عیدیں نہیں کیں۔ یا
بالفاظ دیگر سیال بھر کہیں مقام پر چین سے نہیں بیٹھا علم اور کمال سے کچھ ازلی مناسبت اُسکو تھی اور
مبدء فیاض سے ذوق سلیم اُسکو عطا ہوا تھا۔ ان ملکی افکار اور تشویشوں میں بھی اُسکو علم کیطرف
ایک خاص توجہ رہی۔ ابتدا کے زمانہ میں اسکو بہت کم فراغت حاصل ہوئی جو طالبعلمانہ تحصیل کرتا مگر
متواتر توجہ نے اُسکو واسطے علمی شان بھی حاصل کر لی۔ فقہ حنفی میں اُسکو خاص مہارت تھی محمد قاسم فرشتہ کا
یہ اعتقاد ہے کہ مجتہدانہ قوت رکھتا تھا۔ ترکی نظم میں ایک فقہ کی کتاب لکھی ہے۔ جسکا نام مثنوی مبین ہے
واقعات بابری میں کچھ اشعار اُسکے نقل کیے ہیں۔ بابر کی مادری زبان چغتائی ترکی تھی۔ ترکی میں اشعار
بہت کہے ہیں اور واقعات مذکور میں جابجا کثرت سے درج ہیں۔ مگر افسوس عدم قابلیت کے سبب ہم
اُنکی نسبت کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اپنی سوانح ابتدائے تخت نشینی سے آخر عہد تک اسی زبان میں
قلمبند کیے ہیں۔ محمد قاسم فرشتہ کہتا ہے کہ نہایت فصیح نوشتہ کہ فصحا قبول دارند۔ عبدالرحیم خاں نے اپنے آقا اکبر شاہ کی
فرمایش سے اُسکا ترجمہ فارسی میں کیا۔ جو واقعات بابری کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ ہندوستان میں لکھی گئی ہے۔ سچ نہایت راستبازی اور حق پرستی سے اس کتاب کو لکھا ہے۔ اُسکی
راستباز قلم نے نہ بابر کے باپ کے عیب چھپائے ہیں اور نہ اسکے جانی دشمنوں کے ہنروں سے چشم پوشی کی ہے جیسے
اور بابر کی رائے اسکے باپ کی نسبت لکھی ہے۔ اس سے اُسکی آزادی رائے کا اندازہ ہو سکتا ہے جس بحث کا
پہلو آپڑا ہے نہایت بسط اور تحقیق سے اسمیں صفحے کے صفحے لکھدیے ہیں۔ ہندوستان کے بیان میں ۴۸ صفحے لکھے
ہیں۔ یہاں کے حیوانات۔ نباتات۔ رسوم و عادات سب باتوں سے بحث کی ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔ شاید کوئی
ہندوستانی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بات غلط لکھی ہے۔ انگریزی میں بھی اسکے دو ترجمے ہوئے ہیں اور مسٹر ہیل
کی شہادت کے مطابق تمام عالم نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔ خواجہ مولانا اُسکے اوستاد کی تربیت سے
اُسمیں سلامت روی و سادگی کا ایک مادہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہی دو صفتیں ہیں جو طالب
کو اپنے مقصود میں کامیاب کر سکتی ہیں۔ ماوراء النہر اور خراسان کا ہر شہر و قریہ اسوقت علمی کیفیت اور
اور کیفیت کمال سے سرشار ہو رہا تھا۔ بابر جہاں گیا خواہ کسی حال میں تھا۔ اہل کمال
سے ضرور مستفید ہوا کسی بات کو محض رواج اور تقلید کی بنا پر وہ کبھی تسلیم نہیں
کرتا تھا۔ تاتاری مغلوں کی تاریخ جن صاحبوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ لوگ
اپنے پیشتر چنگیز خاں کے قواعد کو احکام الٰہی سے زیادہ واجب العمل خیال کرتے تھے۔

اہم امور در کنار نشست و برخاست خورد و نوش میں بھی انہیں قواعد کی پابند تھی۔ بابر کہتا ہے
کہ ہمارے باپ اور بھائی تورہ چنگیز خاں کی نہایت ہی رعایت کرتے ہیں۔ تورہ چنگیز خانی
کوئی آئینہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ اُسپر عمل کیا جائے۔ جب کسی نے اچھی بات نکالی ہو اسپر عمل کرنا
چاہیئے۔ اگر باپ نے کوئی روش بد جاری کی ہو اسکو نیکی سے بدل دینا چاہیئے۔ جب وہ غزنی آیا
تو لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک مزار ہے جسپر درود پڑھنے سے قبر جنبش کرنے لگتی ہے۔ بابر وہاں گیا
اور درود جب پڑھی گئی تو قبر واقعی متحرک محسوس ہوئی۔ جب تفتیش کی تو سمجھ گیا کہ مجاوروں کا
فریب ہے۔ قبر پر ایک جھولا سا باندھ رکھا تھا۔ ایک مجاور جنگلے سے اسمیں گھس جاتا تھا جھولا
ہلاتا تھا لوگ خیال کرتے تھے کہ قبر ہلتی ہے۔ جیسے اہل کشتی کو کنارہ چلتا نظر آتا ہے۔ بابر نے مجاوروں کو
اس حرکت شنیع سے منع کر دیا۔ فارسی شعر سے ایک خاص لگاؤ تھا۔ خود بھی کم کم کہتا تھا۔ لیکن جو کچھ
کہتا تھا دلنشین اور صاف۔ قلعہ بیانہ کے حاکم کو ایک فرمان استمالت بھیجا اُسمیں یہ شعر بھی لکھا
درج ہے ۔ با ترک ستیزہ مکن ای میر بیانہ ؛ چالاکی و مردانگی ترک عیان است ؛ ور زود نیائی
و نصیحت نکنی گوش ؛ ہر جا کہ عیانست چہ حاجت بہ بیانست ؛ محمد قاسم فرشتہ نے یہ شعر بابر
کے نام لکھا ہے ۔ باز آئی ای ہمائے کہ بے طوطی خطت ؛ نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان
من ؛ مگر یہ غلطی ہے بابر نے یہ شعر خود حسن یعقوب کا بتایا ہے۔ خواجہ آصفی کے کلام کی نسبت
اُسنے یہ ریمارک کیا ہے " شعر او از رنگ و معنی خالی نیست۔ اگرچہ از عشق و حال بے بہرہ است"
اگر کوئی مشتاق شعر فہم خواجہ آصفی کے کلام پر رائے ظاہر کریگا۔ تو اس بیان سے شاید متفق ہوگا
فن عروض میں بھی خوب ماہر تھا۔ ترکی کا ایک شعر کہا ہے جو پانسو چار وزن میں تقطیع ہوسکتا

ہے۔ اس مبحث پر ایک رسالہ علیحدہ اُسنے لکھا ہے۔ عیش پرستی نے فن موسیقی میں بھی کامل کر دیا تھا
خوب سمجھتا تھا۔ اپنے معاصر موسیقی والوں کی لیاقت نکتہ سنجی سے بیان کی ہے۔ اور جو جس شعبہ میں فائق تھا
یا جسمیں جو نقص تھا سب بیان کرتا ہے۔ خط بھی نہایت پاکیزہ تھا۔ اور بالکل خوشنویسی کے وقت
خوشنویسانہ انداز ہوتا تھا۔ مسطر اپنے ہاتھ سے بناتا تھا۔ ایک شب کو ننگا لسے لوٹتے وقت باد و باران کا
طوفان اُٹھا۔ اور تمام خیمہ سر بسجود ہو گئے۔ بابر اپنے خیمے میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ ڈیرہ اُسپر آ رہا لیکن
ضرر کچھ نہیں پہنچا۔ اوراق پریشان اور پانی میں شرابور ہو گئے۔ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اکٹھے کئے اور
چارپائی کے نیچے رکھکر اوپر سے کمل ڈالدیا۔ جب بارش موقوف ہوئی تو اُن کو نکالا اور صبح تک آگ سے اُنکو
خشک کرتا رہا۔ بابر میں یہ صفت تھی کہ جس بزم میں ہوتا تھا ایسے ہی معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسکے لئے موزوں تھا

دربار میں بادشاہ جنگ میں سپہ سالار اور بزم میں ایک یار باش رند۔ محمد قاسم فرشتہ نے اسکے علم کی نسبت یہہ لکھا ہے "در علم فقہ حنفی مجتہد بود و در علم موسیقی و شعر و انشا و املا نظیر نداشت۔ وقائع سلطنت خود را در ترکی بنوعی نوشتہ کہ فصحا قبول دارند" ۔

امرائے شاہی

بابر نے اس جہان میں جو کچھہ ترقی و عروج حاصل کیا وفادار بلند اور دانشمند امرا کی بدولت اور یہی بھی اسکے واسطے ایک زینہ تھی۔ وقت پیکار بہادر سپہ سالار تھے۔ امن کے زمانہ میں دانا مشیر اور صلاحکار اور مصیبت میں یار غمگسار امرا کا ایک چیدہ گروہ تھا جنکو اس زمانہ کے محاورہ میں کونسل کہنا چاہیئے۔ جنگی اور ملکی سب معاملات اس کونسل میں بحث کے بعد نفاذ پذیر ہوتی تھی۔ اکثر مباحثوں میں مشیروں کی رائے بادشاہ کے خلاف ہوتی تھی اور قابل غور اور زیر بحث لائی جاتی تھے۔ علاوہ بریں علیحدہ بابر کا برتاؤ بڑے امیروں سے محض یارانہ تھا۔ شاہی مے پرستی کے جلسوں میں وہ بھی شریک ہوتے تھے۔ بابر انکی دعوتوں میں جاتا تھا۔ کبھی دعوت افطار ہوتی تھی اور کبھی بزم نشاط کا سامان ہوتا تھا۔ اکثر اسکے سرداروں نے اس سے بغاوتیں کیں۔ مگر وہ کبھی درپے آزار نہیں ہوا۔ اور ہمیشہ انکی لغزشوں کو عفو کرتا رہا۔ یونس علی۔ عبد اللہ کتاب دار۔ قاسم حسین۔ محمد علی۔ شاہ منصور برلاس۔ درویش محمد۔ نظام الدین خلیفہ۔ خواجہ کلان امرا میں زیادہ سربرآوردہ تھے۔ ایک مرتبہ خواجہ کلان کو بابر نے حاکم کرکے بھیجا تھا۔ چند روز کے بعد مفارقت شاق ہوئی اور یہ شعر تصنیف کرکے لکھہ بھیجے

سے قرار و عہد بیاران چنیں نبود مرا ؛ گریہ ہجر مرا کرد بے قرار آخر ؛ بعشوہ ہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس ؛ بجور کرد جدا یار را ز یار آخر ؛

عیش و نشاط

بابر ابتدائے شباب میں بہت زاہدانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ مشتبہ کھانے و قطعاً پرہیز تھا۔ اور اس مرتبہ احتیاط تھی کہ دسترخوان چھری وغیرہ کھانے کے متعلقات پر بھی خاص نظر رہتی تھی۔ یہ خواجہ مولنا کی انفاس قدسیہ کا اثر تھا۔ باپ نے اسکو شراب پینے کی ترغیب دی لیکن اسنے نہیں مانا۔ آخر خواجہ مولنا جنکے فیض صحبت کی برکت تھی شہید ہوگئے۔ اور بابر کو ہوائے نشاط نے آ دبایا۔ ۲۳ برس کی عمر میں ڈاڑہی نے سترہ کی نظر کردی اور گویا عیش کی اسٹیج پر آنے کے لیے روپ بدل لیا۔ دختر رز کے عشق نے بھی اسکو اپنی طرف کھینچ لیا مگر بے تحریک اتنی جرأت نہ تھی۔ تحریک کون کرے۔ ہرات جانے تک تائب تھا۔ ہرات کی سوسائٹی بھی عیش و عشرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میزبان شہزادوں نے اس کو بھی بادہ نوشی کی فرمایش کی۔ اسنے ہاتھ بڑھایا لیکن پھر کھینچ لیا۔ ہمکو معلوم نہیں پھر کہاں اسنے جام ارغوانی لب سے لگایا۔ کابل میں ہم اسکو ایک جگہ

میں دیکھتی ہیں کہ ایک دلفریب سبزہ زار میں سنگ مرمر کا ایک حوض شراب کابلی سے پر ہے اور گرد یہ شعر کندہ ہے
ع نوروز و نوبہار مے و دلبرے خوش است ؛ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست ؛ زنان پری پیکر اور
ساقیان گل اندام ساقی گری اور غارت ہوش پر کمر بستہ ہیں۔ بابر ان یاران باصفا کے حلقہ میں بے تکلف بیٹھا
اس دلکش سماں میں محو ہو رہا ہے۔ ایک جانب مطرب خوش نوا مخدوم حافظ شیراز کا یہ شعر بآواز تغنی گا رہا ہے۔
ع ای خوش آن روز کہ بے پا و سر ایام چند ؛ ساکن میکدہ بودیم بہ بدنامی چند ؛ کسی سمت سے روح پرور صدا
آ رہی ہے ع بخور در ارگ کابل مے بگردان پیالہ پے در پے ؛ کہ ہم کوہ است و ہم دریا و ہم شہر است ہم صحرا ؛
بابر یہ ایک عیش کا نمونہ ہے کابل کی بہارستان میں یہ لطف ہر جگہ اٹھایا کبھی درخت چنار کے نیچے وہ چلتا
تھا اور کبھی شفاف چشمے میں کشتی پر بادہ پیمائی ہوتی تھی۔ ایک روز ایک قاضی صاحب کا مکان بزم کے واسطے
پسند ہوا اور تمام سامان نشاط قرینہ سے لگا دیا گیا۔ قاضی صاحب بہت گھبرائے مگر کیا کریں بادشاہ تھا اگر کوئی
بیچارہ غریب ہوتا تو کبھی ڈرے پڑ گئے ہوتے۔ آخر جرات کرکے کہا کہ اس مکان میں کبھی ایسا ہوا نہیں آئندہ اختیار
ہے۔ بابر بھی سمجھ گیا اور فوراً حکم دیا کہ سب سامان وہاں سے اٹھ جائے۔ بابر ان جلسوں میں ایک سادہ دل رند کی
وضع پر شریک ہوتا تھا۔ آداب شاہی اور آداب سلطنت کا کہیں ڈھونڈھے نشان نہیں ملتا تھا۔ ایک روز
اپنے ایک امیر کے ساتھ شغل مدام کو دل چاہا۔ گھوڑے پر چڑھ کر اکیلا چل دیا۔ یہ امیر خود درجے کا قلاش تھا اور بادشاہ
بھی اسکی قلاشی کو خوب جانتا تھا۔ ایک بوتل بغل میں دبا لے گیا۔ آدمی سے بابر ایک ٹیلہ پر بیٹھ گیا اور اس امیر
کو وہاں بلوا بھیجا۔ وہ آیا تو ترتیب بزم کی فرمایش کی۔ وہ تو بقول رند غالب کے قرض کی پیتے تھے گھبرا گئے۔ بابر نے
بغل سے بوتل نکالکر حوالہ کیا اور تھوڑی دیر میں جنگل میں منگل ہو گیا۔ نتیجہ [illegible] شراب سے توبہ کر لی
اور پھر کبھی اس کافر کو منہ نہیں لگایا۔

شاہی حرم ۔ بابر نے پانچ شادیاں کیں۔ اول عائشہ سلطان بیگم ۔ یہ بیگم بابر سے کچھ مرتبط نہیں ہوئی۔ آخر مفارقت
ہو گئی۔ ایک لڑکی اسکے بطن سے تھی۔ مگر بچپن میں مر گئی۔ دوم معصومہ سلطان بیگم یہ نکاح کے بعد تھوڑے روز زندہ رہی
ایک لڑکی ہوئی اسی مرض میں یہ بیگم رحلت کر گئی۔ عائشہ سلطان بیگم کے بعد یہ شادی ہوئی تھی۔ سوم زینب سلطان بیگم سلطان
محمود میرزا کی بیٹی تھی اور نہایت بدمزاج۔ بابر اس سے بہت تنگ رہا۔ آخر اجل کی عنایت سے دو تین برس کے بعد اس بلا سے اسکو نجات ملی۔ چہارم
ماہم بیگم۔ پنجم والدہ عسکری کا مرزا۔ ان دو بیگموں کی نسبت ہمیں معلوم نہیں کہ کس خاندان کی تھیں۔ افغانستان میں یوسف زئی
خاندان کی ایک لڑکی بابر نے ملکی مصلحت سے خواستگاری کی تھی۔ لڑکی کے باپ نے منظور کیا اور لڑکی کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا
مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ نکاح ہوا یا ملتوی رہا۔ حرم کے ناجائز قاعدہ سے اسکو سخت نفرت تھی اور اس سے تمتع اٹھانے والوں کو
اس نے بہت ملامت کی ہے۔ اس مجمل کیفیت سے یہ رائے شاید پیدا ہو سکتی ہے کہ ایشیائی بادشاہوں کی طرح بابر شہوت پرست نہ تھا

تمت بالخیر